من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

حصہ چہارم

تالیف

مفتی اسامہ ڈینڈرولوی

استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط حصہ چہارم

تالیف : مفتی اسامہ ڈینڈرولوی

استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

طباعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق فروری ۲۰۱۷ء

باہتمام : جناب قاسم احمد پالن پوری 09997866990

سیٹنگ : مولانا حسن احمد پالن پوری 09997658227

ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند

مطبوعہ : ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ

Urdo Bazar Jama Masjid Deoband

247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ ڈینڈرولوی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل۔09979993070

فہرست مضامین

کتاب الحظر و الإباحة

صفحہ:

فہرست ضوابط وفوائد

کتاب الحظر و الإباحة

قرآن مجید اور اشیائے مقدسہ کا بیان

ضابطہ:

پردہ اور اس کے متعلقات کا بیان

ضابطہ:

لباس کا بیان

ضابطہ:

ریشم کا بیان

ضابطہ:

سونا چاندی کا بیان

ضابطہ:

جسمانی وضع قطع اور زینت وآرائش کا بیان

ضابطہ:

حلال وحرام کمائی کا بیان

ضابطہ:

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا بیان

ضابطہ:

کھانے پینے کا بیان

ضابطہ:

حلال وحرام جاندار کا بیان

ضابطہ:

علاج ومعالجہ کا بیان

ضابطہ:

عملیات و تعویذات کا بیان

ضابطہ:

سلام قیام اور تقبیل کا بیان

ضابطہ:

تصویر اور فوٹو کا بیان

ضابطہ:

کھیلوں کا بیان

ضابطہ:

گناہ اور توبہ کا بیان

ضابطہ:

متفرقات الحظر والإباحة

ضابطہ:

کتاب الوصایا

ضابطہ:

کتاب الفرائض

ضابطہ:

کتاب الإیمان و العقائد

ضابطہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحظر والإباحة

تمہید: حظر کے معنی ممنوع اور اباحۃ کے معنی جائز کے ہیں، اکثر کتب فقہ میں یہ کتاب اسی عنوان سے مذکور ہے، البتہ بعض کتب میں اس کو کتاب الکراھیۃ کے عنوان سے بھی بیان کیا گیا ہے، اس کتاب کے تحت میں مختلف شعبہاء زندگی کے جائز اور ناجائز مسائل مذکور ہوتے ہیں، گویا یہ ایک جنرل کتاب ہوتی ہے جس میں قاری عقائد سے لے کر اعمال تک اور معاملات سے لے کر اخلاق تک کہ بہت سے رنگارنگ بیش بہاں ضوابط و مسائل سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اب یہ عاجز حسن ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق اور آسانی کو طلب کرتا ہے، اللّٰھم وفقنی لما تحب وترضی والطف بی تیسیرہ فإن تیسیر کل عسیر علیک یسیر.

قرآن مجید و اشیاء مقدسہ کا بیان

۵۶۳- **ضابطہ**: اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کسی دوسرے مقصد کے لئے آلہ بنانا جائز نہیں۔

تفریعات:

۱- پس گھر یا آفس میں دستک کے لئے رکھی بیل میں؛ یا موبائل کی رنگ ٹون میں؛ یا آلارام وغیرہ میں؛ قرآنی آیت یا دعا یا اذان وغیرہ کو سیٹ کرنا صحیح نہیں، کہ اللہ کا ذکر محض عبادت کے طور پر ہونا چاہئے، اپنے نجی کاموں میں تنبہ و اطلاع کے لئے نہیں۔

۲- دربان کا بلند آواز سے سبحان اللہ یا الحمد للہ یا قرآن کی کوئی آیت محض اس نیت سے پڑھنا کہ لوگوں کو اس کے بیداری کی اطلاع ہو جائے درست نہیں۔

۳- اجتماعی دعاء میں امام کا ختم دعاء کی اطلاع کے لئے إن الله و ملئکته الخ پڑھنا اور اس پر سارے مجمع کا ایک ساتھ درود شریف پڑھنا صحیح نہیں۔

۴- واعظین کا صرف لوگوں کو بیدار کرنے اور ان میں نشاط پیدا کرنے کی غرض سے اثناء وعظ میں درود شریف پڑھوانا- جیسا کہ مروج ہے- یہ صحیح نہیں —— درود شریف محض بنیت قربت بنفس خود مقصود سمجھ کر پڑھنا چاہئے، غیر کے لئے آلہ کے طور پر نہیں [1]۔

۵- جوا یا لاٹری میں بسم اللہ پڑھ کر پرچی اٹھانا (یا حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھنا) جائز نہیں، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کو ایک ناجائز مقصد کے لئے آلۂ کار بنانا لازم آتا ہے۔ بلکہ اگر بقصد استخفاف اس نے ایسا کیا تو کفر ہے اور بدون استخفاف میں اختلاف ہے صحیح وراجح یہ ہے کہ کفر نہیں حرام ہے [2]۔

۵۶۴- **ضابطہ:** صیغۂ صلاۃ وسلام یا صیغۂ ترضی وغیرہ میں اختصار درست

---

(۱) وقد كرهوا والله أعلم ونحوه ... لإعلام ختم الدرس حين يقرر (الدر المختار) وفي ردالمحتار تحت (قوله ونحوه) كأن يقول وصلى الله على محمد (قوله لإعلام ختم الدرس) أما إذا لم يكن إعلاما بانتهائه لا يكره، لأنه ذكر فيه وتفويض بخلاف الأول، فإنه استعمله آلة للإعلام ونحوه إذا قال الداخل: يا الله مثلا ليعلم الجلاس بمجيئه ليهيئو اله محلا، ويو قروه وإذا قال الحارس: لا إله إلا الله ونحوه ليعلم باستيقاظه، فلم يكن المقصود الذكر أما إذا اجتمع القصدان يعتبر الغالب كما اعتبر في نظائره اهـ ط (ردالمحتار: ۶/۴۳۱، فی آخر كتاب الحظر والإباحة)

(۲) نعم التسمية على الحرام والمكروه مما لا ينبغي بل هي حرام في ←

نہیں، خلاف ادب ہے۔

تشریح: یعنی حضور ﷺ کے مبارک نام پر پورے صلاۃ وسلام کی بجائے صرف "م" لکھنا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام پر "رض" تحریر کرنا، اسی طرح رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ "رح" اور تعالیٰ کی جگہ "تعہ" لکھنا ٹھیک نہیں، مقتضائے ادب کے خلاف ہے۔ صاحب احسن الفتاویٰ فرماتے ہیں: آخر جہاں صفحات کے صفحات اور پوری کتاب لکھ رہے ہیں تو صیغہ صلوٰۃ وسلام اور صیغہ ترضی میں کتنی جگہ صرف ہوتی ہے، درحقیقت یہ محبت کی کمی کی دلیل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صلاۃ وسلام وغیرہ میں تکرار سے نہیں اکتانا چاہئے اور جو اس سے غفلت برتتا ہے وہ بڑے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے، خاص کر جب روایت بیان کی جائے تو اس وقت اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، اور لکھنے میں رمز واشاریہ پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے، کامل صیغہ لکھنا چاہئے" اھ۔(۱)

← الحرام لا كفر على الصحيح مكروهة في المكروه وقيل مكروهة فيهما إن لم يقصد استخفافاً وإن قصده والعياذ بالله تعالى كفر مطلقاً. (روح المعاني: ۱/۳۷، في بيان سورة الفاتحة)

---

(۱) وينبغي أن يحافظ على كتابة الصلاة والتسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا يسأم من تكراره، ومن أغفله حرم حظاً عظيماً، ولا يتقيد فيه بما في الأصل إن كان ناقصاً، وهكذا الثناء على الله سبحانه وتعالى: كعز وجل، وسبحانه وتعالى وشبهه، وكذا الترضي والترحم على الصحابة والعلماء وسائر الأخيار، وإذا جاءت الرواية بشيء منه كانت العناية به أكثر وأشد، ويكره الاقتصار على الصلاة أو التسليم والرمز إليهما في الكتابة، بل يكتبهما بكمالهما. (التقريب والتيسير للنووي: ۱/۶۸ النوع الخامس والعشرون: كتابة الحديث وضبطه)

اور ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم سے ایک اہل حدیث نے بیان کیا کہ میرا ایک پڑوسی تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا، پوچھا: تمہارا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی! میں نے سوال کیا کس بنا پر؟ تو اس نے کہا: حدیث لکھتے وقت جب بھی میں رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک لکھتا تو اس پر پورا 'صلی اللہ علیہ وسلم' لکھتا تھا'' اھ۔[1]

۵۶۵- ضابطہ: مصحف کے علاوہ جہاں کہیں قرآنی آیت لکھی ہوئی ہو تو خاص اس آیت کو بلا طہارت چھونا جائز نہیں، اس کے اردگرد کا حصہ چھونا جائز ہے۔[2]

تشریح: پس اخبار، دیوار، کتاب یا درہم وغیرہ میں کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو آیت کے علاوہ حصہ کو بلا طہارت ہاتھ لگانا یا اس جگہ سے اس کو پکڑنا و اٹھانا جائز ہے، قرآن کا جو حکم ہے کہ اس کا حاشیہ وگتہ چھونا بھی جائز نہیں: ان چیزوں کا یہ حکم نہیں۔

اسی طرح موبائل یا کمپیوٹر میں قرآن کریم موجود ہو اور اس کو اسکرین پر ظاہر کردیا گیا تو آیات کو خاص طور پر ہاتھ لگانا جائز نہ ہوگا، ان کے علاوہ حصہ میں گنجائش ہے جیسا کہ درہم وغیرہ کا حکم ہے، اور اگر یہ پروگرام بند کردیا گیا تو پھر پورے موبائل کو

---

(۱) وقال بعض أهل الحديث: كان لی جار فمات فروی فی المنام فقيل له: ما فعل الله بک؟ قال: غفر لی! قيل: بم ذاک؟ قال: كنت إذا كتبت ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الحديث كتبت ''صلى الله عليه وسلم''. (جلاء الأفهام في فضل الصلاة والسلام على محمد خير الأنام لابن قيم الجوزية: ۲۱۴)

(۲) لا يحرم في غير المصحف إلا بالمكتوب: أي موضع الكتابة. (رد المحتار: ۱/۱۷۳، كتاب الطهارة)

جعلوا المحرم في غير المصحف مس عين القرآن (حاشية الطحطاوی: ۱/۱۴۴، كتاب الطهارة)

چھونے میں کوئی حرج نہیں ــــــ تاہم ادب یہ ہے کہ موبائل میں جب قرآن کریم کھولا جائے تو پورے موبائل میں کہیں بھی بے وضو چھونے سے احتراز کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ موبائل بظاہر اصالۃً مصحف ہوجاتا ہے، اور دوسرے آپشنز ضمنی بن جاتے ہیں۔ (۱)

تفسیر کی کتابوں کو بھی جبکہ اس میں تفسیر کے الفاظ قرآنی آیات سے زیادہ ہوں آیت کے علاوہ حصے کو بلاطہارت چھونا و پکڑنا جائز ہے، اسی بنا پر تفسیر الجلالین کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ: اس کو بلاوضو چھونا جائز ہے، کیونکہ اس کے تفسیری الفاظ سورۂ مدثر تک تقریباً برابر ہیں (۲)، اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں؛ اور اگر تفسیر کے الفاظ قرآنی آیات کے برابر ہوں یا کم ہوں تو پھر اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے بلاطہارت چھونا جائز نہیں۔

تاہم ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر دینی کتاب کو خاص کر تفسیر، احادیث وفقہ کی کتابوں کو باوضو ہی چھوا جائے کہ اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔ (۳)

---

(۱) (قوله ومسه) أي القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط، لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب، بخلاف المصحف فلايجوز مس الجلد وموضع البياض منه. وقال بعضهم: يجوز، وهذا أقرب إلى القياس، والمنع أقرب إلى التعظيم كما في البحر: أي والصحيح المنع كما نذكره. (ردالمحتار: ۱/۲۹۳ كتاب الطهارة قبيل باب الأنجاس)

(۲) مراد وہ جلالین ہے جو بغیر حاشیہ کی ہو اس لئے کہ حاشیہ والی کتاب میں تو اس تحقیق کی ضرورت نہیں حاشیہ اور کتاب کی تفسیر ملا کر یوں ہی اس کے کلمات قرآنی کلمات سے زیادہ ہوجاتے ہیں۔

(۳) والمستحب أن لا يأخذها إلا بوضوء" لأنها لا تخلو عن آيات القرآن ... (حاشية الطحطاوی: ۱/۱۴۴)

" في الأشباه وقد جوز بعض أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ←

۵۶۶-ضابطہ: حدث کی حالت میں قرآن مجید کو کپڑے سے چھونے میں ہر ایسے پاک کپڑے سے چھونا جائز ہے: جو بدن سے علاحدہ ہو؛ ملبوس کپڑے سے چھونا جائز نہیں۔ (۱)

تفریع: پس پہنے ہوئے کرتے کے دامن یا آستین سے؛ یا پگڑی کے شملہ سے؛ یا عورت کا اپنے دوپٹے کے کنارے سے جبکہ دوپٹہ سر یا بدن پر اوڑھا ہوا ہو قرآن مجید کو چھونا یا پکڑنا جائز نہیں، کیونکہ ملبوس کپڑا بمنزلہ بدن کے ہوتا ہے۔ (۲)

← ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيرا أو قرآنا ولو قيل به إعتبار اللغالب لكان حسنا وفي الجوهرة كتب التفسير وغيرها لا يجوز مس مواضع القرآن منها وله أن يمس غيرها بخلاف المصحف قلت وذلك هو الموافق لكلامهم لأنهم جعلوا المحرم في غير المصحف مس عين القرآن. (حاشية الطحطاوی: ۱/۱۴۴؛ الدر المختار: ۱/۱۷۷ سنن الغسل)

(۱) ولا يجوز لهم مس المصحف بالثياب التي يلبسونها؛ لأنها بمنزلة البدن. (تبيين الحقائق: ۱/۵۸، كتاب الطهارة، باب الحيض)

وفي الهداية ويكره مسه بالكم هو الصحيح؛ لأنه تابع له اهـ. وفي الخلاصة من فصل القرآن وكرهه عامة مشايخنا اهـ. فهو معارض لما في المحيط فكان هو الأولى الخ. (البحر الرائق: ۱/۲۱۲ باب مايمنعه الحيض)

(۲) یہی وجہ ہے کہ: زمین پر نہ بیٹھنے کی قسم کھائی تو اگر حالف اس حال میں بیٹھے کہ اس کے اور زمین کے درمیان پہنے ہوئے کپڑے حائل ہوں تو حانث ہوجاتا ہے، لیکن کپڑے اتار کر اس پر بیٹھے تو حانث نہیں ہوتا؛ اسی طرح جوتے یا خف کے نیچے ناقابل عفو نجاست ہو تو ان کو پہن کر نماز نہیں ہوتی، لیکن اگر جوتے یا خف کو نکال دیا اور اس پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہوجاتی ہے۔ البتہ حرمت مصاہرت میں ملبوس بمنزلہ بدن کے نہیں ہے، چنانچہ عورت کو کپڑے کے ساتھ مس کیا اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ بدن کی حرارت اصلیہ کو وہ مانع ہے تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ اس میں اصل مدار شہوت کے ساتھ چھونا ہے اور کپڑا اس میں کسی نہ ←

لیکن اگر عورت نے اپنے دوپٹے کو اتار لیا پھر اس سے قرآن کو چھویا تو حرج نہیں، اسی طرح اگر کسی نے ایسے کرتے سے چھویا جو بدن سے علاحدہ ہے یعنی اس وقت بدن پر پہنا ہوا نہیں ہے، یا ٹوپی یا دستی رومال سے پکڑا تو مضائقہ نہیں۔

تفریع: یہی سے یہ مسئلہ متفرع ہوا کہ حدث کی حالت میں قرآن مجید کو جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر قرآن جزدان میں ہو تو حرج نہیں کیونکہ جزدان کے ساتھ چھونا جائز ہے تو اس حال میں جیب میں رکھنا بھی جائز ہوگا لیکن متصل غلاف کافی نہیں یعنی جو غلاف قرآن کے گتوں کے ساتھ سلا ہوا ہو، یا اس طرح پیوستہ ہو کہ پڑھتے وقت اس کو نکالنے یا ہٹانے کی ضرورت نہیں رہتی تو یہ مصحف کا جزو ہو جاتا ہے بلا طہارت اس کے ساتھ چھونا جائز نہیں، تو جیب میں رکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ (۱)

۵۶۷- **ضابطه:** قرآن کریم سے ایسا استشہاد جو محاورے میں بطریق ضرب المثل ہو، یا جو بے فائدہ ولغو کلام، یا مزاح کے دوران ہو، مکروہ ہے۔

← کسی حد تک مانع بنتا ہے۔ ولهذا لو حلف لا يجلس على الأرض فجلس عليها وثيابه حائلة بينه وبينها وهو لابسها يحنث، ولو قام في الصلاة على النجاسة وفي رجليه نعلان أو جوربان لا تصح صلاته بخلاف المنفصل عنه (تبيين الحقائق: ۱/۵۸، كتاب الطهارة، باب الحيض)

وانصرف اللمس إلى أي موضع من البدن بغير حائل، وأما إذا كان بحائل فإن وصلت حرارة البدن إلى يده تثبت الحرمة وإلا فلا، كذا في أكثر الكتب. (البحر الرائق: ۳/۱۰۷، كتاب النكاح، فصل فى المحرمات)

(۱) وكذا المحدث لا يمس المصحف إلا بغلافه... وغلافه ما يكون متجافيا عنه دون ما هو متصل به كالجلد المشرز هو الصحيح (الهداية: ۱/۳۳، كتاب الطهارة)

وهذا يفيد أن لا يجوز حمله في جيبه ولا وضعه على رأسه مثلا بدون غلاف متجاف وهذا مما يغفل عنه كثير فليتنبه له (منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/۲۱۲، باب ما يمنعه الحيض)

جیسے:

۱- ڈاڑھی منڈانے والے کا غلط استشہاد کے طور پر کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ کو پیش کرنا اور یہ مطلب لینا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کلا صاف کرو، یہ مکروہ ہے بلکہ تحریف اور کفر ہے۔

۲- کسی بستی والوں کی مخصوص عادات واطوار کو دیکھ کر ان پر مزح اور طنز کرتے ہوئے کہنا: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ مکروہ ہے۔

۳- یحیٰ نامی شخص کو دیکھ کر- جبکہ اس کے پاس کوئی کتاب بھی نہ ہو- بطور مزاح کہنا: يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ مکروہ ہے۔

۴- جس کے پاس کتابیں زیادہ ہوں اور وہ ان سے کما حقہ کام نہ لیتا ہو اس سے بطور مزاح یا طنز کہنا: مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا مکروہ ہے۔

۵- طفیلی کا کسی طرح مقام دعوت میں رسائی حاصل کرنے کے بعد باہر والوں کو بطور مزح کہنا: بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ مکروہ ہے۔

۶- انتہائی مؤثر باتوں کو سن کر بھی جس آدمی پر کیف طاری نہ ہوتا ہو ایسے شخص کا بطور پر مزاح یا غلط بیانی سے کام لے کر استشہاد میں یہ پیش کرنا وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ مکروہ ہے۔

کہ یہ قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے، پس اس سے احتیاط ضروری ہے۔ البتہ اگر مثال یا حقیقت حال بیان کرنا مقصود ہو تو اس میں حرج نہیں، جیسے اوپر نمبر ایک کے علاوہ باقی سب صورتوں میں حقیقت واقعہ یا بطور تمثیل اس آیت کو پیش کی جائے، غلط استشہاد اور مزاح وغیرہ اس سے مقصود نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ (۱)

(۱) ففيه جواز الاستشهاد في مثل هذا السياق بالقرآن في الأمور المحققة وقد جاء لهذا نظائر كثيرة كما سبق قريبا في فتح مكة أنه صلى الله عليه و سلم ←

جیسے بعض لوگ بھوک کی حالت میں کہتے ہیں کہ ”آنتیں قل ھواللہ پڑھ رہی ہیں“ تو فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ چونکہ ”خالی پیٹ آنتوں کی آواز ”قل، قل“ ہوتی ہے، اس لئے اس کو اس سے تعبیر کرتے ہیں“ اھ پس اس میں کراہت نہیں، اور حاشیہ میں ہے کہ: ”عام محاورات میں ایسے الفاظ کسی کام کی شدت اور زیادتی کو بیان کرنے کے لئے کہے جاتے ہیں، ان الفاظ سے کسی شرعی حکم یا شعار دین کی تحقیر، توہین یا استہزاء واستخفاف مقصود نہیں ہوا کرتی کہ موجب کفر ہو“۔ (۱)

۵۶۸- **ضابطہ:** مواضع لغو وغفلت میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے۔

تشریح: پس لغو و باطل مواقع میں جیسے کھیل کود کے میدان میں، ناچ گانوں کی محفل میں، مسخرے کی مجلس میں؛ یا دنیوی مشاغل کی جگہوں میں مثلاً بازار میں، سیر

← جعل يطعن في الأصنام ويقول جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد جاء الحق وزهق الباطل ؛قال العلماء يكره من ذلك ما كان على ضرب الأمثال في المحاورات والمزح ولغو الحديث فيكره في كل ذلك تعظيما لكتاب الله تعالى.(شرح النووی علی مسلم: ۲ /۱۰۴ باغزوة خيبر)

وفی المرقاة :قال النووي:...الخ . قلت :بل صرح بعض علمائنا بكفر من وضع كلام الله تعالى موضع كلامه بأن خاطب شخصا مسمى بيحيى مناولا له بكتاب ،وقال يا يحيى خذ الكتاب بقوة،وكذا وضع بسم الله موضع كل ذا دخل ،ونحوهما ؛وأما قوله جاء الحق وزهق الباطل فليس من باب الاستشهاد، بل من باب الامتثال حيث قال تعالى وقل جاء الحق وزهق الباطل الإسراء وكذا من قال عند قوله تعالى وقل رب زدني علما طه ونحوه بل يستحب له ذلك.(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۷ /۴۴ كتاب الجهاد، باب الكتاب إلى الكفار)

(۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۴۱۹، کتاب الحظر و الإباحة، مايتعلق بألفاظ الكفر)

وتفریح کے مقامات میں: جہاں عامتا لوگ آخرت سے غافل ہوتے ہیں اور قرآن مجید کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا شوق سے نہیں سنتے؛ وہاں بلند آواز سے تلاوت مکروہ ہے، کہ یہ قرآن پاک کے احترام کے خلاف ہے۔ (۱)

۵۶۹- **ضابطہ**: قرآن کریم (اور دینی کتابوں) کے ساتھ ہر وہ معاملہ جو عرفاً یا شرعاً اس کے ادب واحترام کے خلاف ہو جائز نہیں۔ (۲)

تفریعات:

۱- پس اس پر ٹیک لگانا جائز نہیں۔

۲- اس کی طرف محاذات (سیدھ) میں پشت کرنا یا پیر پھیلانا درست نہیں۔ (۳) البتہ اتنی دوری سے ہو کہ عادتاً اس کو خلاف ادب نہ سمجھا جائے تو حرج نہیں، اسی طرح قرآن مجید بلندی پر رکھا ہو تو بھی حرج نہیں۔ (۴)

---

(۱) لا يقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، وفي موضع اللغو كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۱۶، كتاب الكراهية، الباب الرابع)

(۲) لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۴، كتاب الكراهية، الباب الخامس)

(۳) ويكره مد الرجلين إلى القبلة في النوم وغيره، وكذا إلى المصحف وكتب الفقه. (البناية شرح الهداية: ۲/ ۴۶۸، كتاب الصلاة، فصل ويكره استقبال القبلة بالفرج في الخلاء، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، لبنان) وقال ابن حجر المكى: والأولى ان لايستدبره ولايتخطاه ولايرميه إلى الأرض. (الفتاوى الحديثية: ۳۰۷، مطلب: حكم مد الرجلين إلى المصحف)

(۴) مد الرجلين إلى جانب المصحف إن لم يكن بحذائه لا يكره، وكذا لو كان المصحف معلقا في الوتد وهو قد مد الرجل إلى ذلك الجانب لا يكره، كذا في الغرائب. (هندية: ۵/ ۳۲۲ كتاب الكراهية)

۳-قران مجید نیچے ہواور خود بلندی پر بیٹھے یا لیٹے تو جائز نہیں،[۱] البتہ مکان یا جگہ مختلف ہوتو مضائقہ نہیں؛ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’اگرایک ہی مکان اورایک ہی جگہ ایسی صورت ہوتو عرف عام میں اس کو بے ادبی قرار دیا جاتا ہے ...کتب فقہ میں تلاش کرنے پر اس صورت کی تصریح تونہیں ملی مگر عرفی بے ادبی کا مدار عرف عام پر ہوتا ہے۔[۲]

۴-صندوق یا ایسے بیڈ کے اندر قرآن رکھنا جس پر وہ بیٹھتا یا سوتا ہے مکروہ ہے، بعض نے کہا مکروہ نہیں جیسے اس گھر کی چھت پر سونے میں کوئی حرج نہیں جس میں قرآن ہو(مگر اس قیاس میں نظر ہے، کیونکہ عرف میں صندوق والے مسئلے میں تو بے ادبی خیال کیا جاتا ہے، گھر والی صورت میں نہیں)[۳] البتہ ضرورت کے وقت میں حرج نہیں، جیسے سفر میں ضرورتا جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگاڑی کی سیٹ کے نیچے یا گاڑی کی ڈِگی میں قرآن کا بوکس یا بیگ رکھا تو مضائقہ نہیں۔[۴]

۵-قرآن مجید کو تجوید کی رعایت کئے بغیر پڑھنا جائز نہیں گناہ ہے، کہ یہ شرعا اس کے ادب واحترام کے خلاف ہے؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ’’ورتل

---

(۱)ولاتقعدوا على مكان أرفع مما عليه القرآن .(حياة المسلمين نحكيم الأمة:ص:۵۴)

(۲)(كفايت المفتي:۱/۱۲۶كتاب العقائد)

(۳)وإذا كتب اسم الله تعالى على كاغد ووضع تحت طنفسة يجلسون عليها فقد قيل: يكره، وقيل: لايكره، وقال: ألا ترى أنه لو وضع في البيت لا بأس بالنوم على سطحه كذاهاهنا، كذافي المحي.(هندية:۵/۳۲۲كتاب الكراهية)

(۴)وإذا حمل المصحف أو شيئا من كتب الشريعة على دابة في جوالق وركب صاحب الجوالق على الجوالق لايكره، كذافي المحيط. (هندية:۵/۳۲۲ كتاب الكراهية)

القرآن ترتیلا‘‘ میں ترتیل سے مراد: حروف کی تجوید اور وقوف کی معرفت ہے۔[1]

۶- تین شب سے کم میں قرآن پاک ختم کرنا اچھا نہیں، کہ شرعا یہ اس کے ادب کے خلاف ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ایسا کیا اس نے سمجھ داری کا کام نہیں کیا، کیونکہ اس میں پوری تجوید کی رعایت نہیں ہو پاتی اور کما حقہ تدبر کا موقع نہیں ملتا[2] ـــــ تاہم اگر کسی کو قرآن پاک سے خاص لگاؤ و دلچسپی ہو اور اس کو پختہ یاد ہو اور صحیح پڑھتا ہو تو ایسا شخص اگر پوری دل جمعی کے ساتھ تین شب سے کم میں قرآن ختم کر لے تو مضائقہ نہیں، صحابہ کرام اور بہت سے اولیائے عظام سے تین شب سے کم میں، بلکہ ایک شب میں بلکہ ایک رکعت میں پڑھنا بھی منقول ہے، بلکہ ایک رات میں کئی کئی مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا بھی مروی ہے۔[3]

---

(۱) والأخذ بالتجوید حتم لازم ... من لم یجود القرآن آثم (المقدمۃ الجزریۃ: ۱/۱۱ باب التجوید)

وعن علي في قوله تعالى: {ورتل القرآن ترتيلا} ، قال: الترتيل تجويد الحروف ومعرفة الوقوف. (الإتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۱/۲۸۲)

(۲) عن عبد الله بن عمرو، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث، هذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذی: ۵/۱۹۸ حدیث: ۲۹۴۹، أبواب القراءت، باب ما جاء أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف)

(۳) قال العلامۃ اللکنوی: ... ’’إن قیام اللیل کلہ، وقراءۃ القرآن فی یوم ولیلۃ مرۃ أو مرات، وأداء ألف رکعات أو أزید من ذالک، ونحو ذالک من المجاھدات والریاضات لیس بدعۃ، ولیس بمنھی عنہ فی الشرع، بل ھو أمر حسن مرغوب إلیہ، لکن بشروط الخ‘‘. (إقامۃ الحجۃ علی أن الإکثار فی التعبد لیس ببدعۃ، فی ضمن مجموعۃ رسائل اللکنوی: ۲/۲۰۱؛ وکذا فی مرقاۃ المفاتیح: ۷/۶۴ کتاب فضائل القرآن)

۷-قرآن کریم ودینی کتابوں کے ناقابل انتفاع اوراق کو جلانا جائز نہیں، کیونکہ جلانے میں ان کی بے حرمتی ہے، ایسے اوراق کا حکم یہ ہے کہ ان کے ساتھ کوئی وزنی شیء باندھ کر بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کے تہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیں، یا مردے کے دفن کے مانند اس طرح دفن کردیں کہ ان پر مٹی نہ پڑے۔[۱]

——اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے غیر قریشی نسخوں کا جوجلانا ثابت ہے تو کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے وہ مصاحف دھلوا کر جلائے تھے، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو درحقیقت وہ جلانا اس مصلحت سے تھا کہ اگر پانی میں ڈالتے تو لوگ نکال لیتے اور مٹی میں ڈالتے تو بھی نکال لیتے اور تا قیامت تورات وانجیل کی طرح اختلاف رہتا۔[۲]

استدراک:

۱-لیکن نابالغ کا بلاوضو قرآن چھونا اور اس سے کہنا کہ یہ قرآن اٹھادو جائز ہے، کیونکہ نابالغ کو ہر وقت وضو کا مکلف بنانے میں حرج ہے، اور بلوغ تک مؤخر کرنے سے تقلیل حفظ لازم آتا ہے، بایں وجہ کہ بچپن میں یاد کردہ نقش کالحجر ہوتا ہے، اور بعد میں حفظ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

---

(۱)الكتب التي لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله و ملائكته و رسله و يحرق الباقي ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كما هي أو تدفن و هو أحسن (الدر المختار) وفي الذخيرة: المصحف إذا صار خلقا و تعذر القراءة منه لا يحرق بالنار إليه أشار محمد و به نأخذ... و ينبغي أن يلف بخرقة طاهرة، و يلحد له لأنه لو شق و دفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف...تعظيما لكلام الله عز وجل اهـ. (ردالمحتار: ۴۲۲/۶، آخر كتاب الحظر و الإباحة)

(۲)[قوله:وأمر ماسواء من القرآن في كل صحيفة و مصحف أن يحرق] والإحراق ههنا لدفع الاختلاف و هو جائز (فیض الباری: ۲۶۴/۴، کتاب فضائل القرآن)

اور یہاں جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ بغیر وضو قرآن چھوئے تو اس کے ولی پر کوئی گناہ نہیں خواہ وہ جانتے ہوئے اس کے حال پر چھوڑ دے؛ برخلاف مثلاً بچہ شراب پیئے تو ولی کا اس میں چشم پوشی کرنا جائز نہیں؛ تاہم بچہ کو تادیباً وضو کرواتے رہنا بہتر اور اولیٰ ہے۔(۱)

۲- اسی طرح اس گھر میں بیوی سے جماع کرنا جس میں قرآن ہو جائز ہے، کیونکہ عموماً مسلمانوں کے گھرانے قرآن مجید سے خالی نہیں ہوتے، پس حاجت کی بنا پر اس میں مضائقہ نہیں، تاہم اولیٰ ہے کہ قرآن پاک جزدان وغیرہ سے ڈھکا ہوا ہو۔(۲)

(۱)ويجوز أن يقول للصبي: احمل هذا المصحف، كذا في القنية.(الفتاوى الهنديه: ۳۱۷/۵، كتاب الصلاة، الباب الرابع)

ولا مس صبي لمصحف ولوح؛ لأن في تكليفهم بالوضوء حرجا بها، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن فرخص للضرورة.(مجمع الأنهر: ۲٦/۱ فصل الطهارة بالماء)

ولا يكره مس صبي لمصحف ولوح، ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر. (الدر المختار) (قوله: ولا يكره مس صبي إلخ) فيه أن الصبي غير مكلف والظاهر أن المراد لا يكره لوليه أن يتركه يمس، بخلاف ما لو رآه يشرب خمرا مثلا فإنه لا يحل له تركه. (ردالمحتار: ۱۷٤/۱ كتاب الطهارة)

يجوز قربان المرأة في بيت فيه مصحف مستور. (الدر المختار)(قوله: مستور) ظاهره عدم جوازه إذا لم يشترط. أقول: وعبارة الخانية: ولا بأس بالخلوة والمجامعة في بيت فيه مصحف؛ لأن بيوت المسلمين لا تخلو من ذلك.(ردالمحتار : ۱۷۸/۱ كتاب الطهارة)وفي كتاب الحظر :قيده في القنية بكونه مستورا وإن حمل ما فيها على الأولوية زال التنافي ط.(ردالمحتار: ٤۲۳/٦، آخر كتاب الحظر والإباحة)

۵۷۰- ضابطہ: بے وضو قرآن کریم کو لکھنے میں: اگر مکتوب علیہ کو چھوئے بغیر لکھے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز نہیں، درمختار میں ہے کہ اگر تختی کو زمین پر رکھا اور کاتب اور تختی کے درمیان کوئی چیز کپڑا وغیرہ حائل ہے تو امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا جائے گا ورنہ امام محمدؒ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔ (۱)

تفریعات:

۱- پس کمپیوٹر پر قرآن کی کتابت بلا طہارت جائز ہے، کہ اس میں مکتوب علیہ کو بلا واسطہ چھونا لازم نہیں آتا۔

۲- اور ٹائپ رائٹر، موبائل اور لیپ ٹاپ میں - جبکہ اس میں علاحدہ 'کی بورڈ' استعمال نہ کیا جائے - درست نہیں، کیونکہ ان میں مکتوب علیہ کو حکماً چھونا لازم آتا ہے اور درمیان میں کوئی مستقل چیز بھی حائل نہیں؛ رہے اس کے 'کیز' یعنی بٹن تو بوجہ اتصال کے وہ بمنزلہ قلم کے ہیں پس ان کا اعتبار نہیں، اسی طرح اسکرین کی حیلولت بھی معتبر نہیں کیونکہ وہ مثل کاغذ کے نقوش کی جزو لازم ولاینفک ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۵۷۱- ضابطہ: قرآن کی آیات کو خون وغیرہ کسی قسم کی نجاست سے لکھنا جائز نہیں، خواہ علاج کی غرض سے ہو یا کوئی اور مقصد ہو۔

تشریح: بعض کتب میں علاج کے لئے نجاست سے لکھنے کو جائز لکھا ہے اور اس کو بوقت مخمصہ شرب خمر اور اکل میتہ کی اجازت پر قیاس کیا ہے، جیسا کہ شامی، بحر محیط وغیرہ میں یہ مذکور ہے، مگر احسن الفتاوی میں ہے کہ: "اس قیاس کا بطلان ظاہر ہے"؛ فتاوی

---

(۱) ولاتكره كتابة قرآن والصحيفة أواللوح على الأرض عند الثاني خلافا لمحمد. وينبغي أن يقال إن وضع على الصحيفة ما يحول بينها و بين يده يؤ خذ بقول الثاني وإلا فبقول الثالث قاله الحلبي. (الدرالمختار: ۱/۱۷۴ كتاب الطهارة، قبيل باب المياه)

عثمانی میں بھی یہی حکم مذکور ہے؛ اور امداد الفتاویٰ میں بھی تفصیلی بحث کے بعد عدم جواز کو ہی احتیاط بتلایا ہے۔ (۱)

۵۷۲- ضابطه: غیر مسلم کو قرآن کریم کی تعلیم دینا یا زم زم وغیرہ متبرک چیز دینا جائز ہے، جبکہ وہ عقیدت سے اسے حاصل کرے اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ اس کا ادب واحترام ملحوظ رکھے گا، ورنہ جائز نہیں۔ (۲)

انتباہ: مگر قرآن شریف کی تعلیم میں اس کی تاکید رکھنی چاہئے کہ وہ بے غسل اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ (۳)

۵۷۳- ضابطه: قرآن کریم کو رسم عثمانی کے علاوہ کسی اور رسم الخط میں لکھنا جائز نہیں، اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (۴)

---

(۱) (دیکھئے: احسن الفتاویٰ: ۸/۱۸ کتاب الحظر و الاباحة، فتاویٰ عثمانی: ۱/۲۰۰ کتاب العلم و التاریخ و الطب؛ امداد الفتاویٰ: ۴/۳۸ کتاب الحظر و الاباحة)

(۲) وهذه المسألة مما اختلف فيه السلف فمنع مالك من تعليم الكافر القرآن ورخص أبو حنيفة واختلف قول الشافعي والذي يظهر أن الراجح التفصيل بين من يرجى منه الرغبة في الدين والدخول فيه مع الأمن منه... الخ. (فتح الباری شرح البخاری: ۶/۱۰۷ کتاب الجهاد، باب هل يرشد المسلم أهل الكتاب أو يعلمهم الكتاب)

(۳) ولا بأس بتعليم الكافر القرآن أو الفقه رجاء أن يهتدى وليكن لايمس المصحف مالم يغتسل. (غنية المستملی، المعروف بالكبيری، ص: ۴۹۲، تتمات فيما يكره من القرآن فی الصلاة ومالا يكره وفی القرأة خارج الصلاة)

(۴) وجاء في المحيط البرهاني في فقه الحنفية ما نصه: إنه ينبغي ألا يكتب المصحف بغير الرسم العثماني.

وقال العلامة نظام الدين النيسابوري ما نصه: وقال جماعة من الأئمة إن الواجب على القراء والعلماء وأهل الكتابة أن يتبعوا هذا الرسم في خط ←

فائدہ: البتہ قرآن کے علاوہ عام کتابت میں رسم عثمانی کی رعایت لازم نہیں، بلکہ کتابت کے جدید قواعد کے موافق لفظ کو جیسے پڑھا جاتا ہے اسی کے موافق لکھنا چاہئے، جیسے صلاۃ، زکاۃ، حیاۃ وغیرہ۔[1]

۵۷۴- **ضابطہ**: تلاوت سے پہلے کسی کام میں مشغول ہو تو اس کا سننا واجب نہیں، ورنہ واجب ہے۔

تشریح: جب تلاوت ہو رہی ہو تو اس کو غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (سورۃ الاعراف: ۲۶۴) لیکن اگر کوئی شخص پہلے سے کسی دینی یا دنیوی کام میں مشغول ہو اور کوئی آکر بلند آواز سے تلاوت کرے تو اسے اپنا کام جاری رکھنے کی گنجائش ہے، کیونکہ اس صورت میں اعراض لازم نہیں آتا، اس لئے کہ یہ تو پہلے سے ہی اس کام میں مشغول تھا۔

← المصحف فإنه رسم زيد بن ثابت و كان أمين رسول الله صلى الله عليه و سلم و كاتب و حيه.

وقال البيهقي في شعب الإيمان: من كتب مصحفا ينبغي أن يحافظ على الهجاء الذي كتبوا به تلك المصاحف و لا يخالفهم فيه و لا يغير مما كتبوه شيئا فإنهم كانوا أكثر علما و أصدق قلبا و لسانا و أعظم أمانة فلا ينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكا عليهم اهـ. (مناهل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی: ۱/ ۳۸۰، رسم المصحف)

وقال أشهب سئل مالك هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء فقال لا إلا على الكتبة الأولى، رواه الداني في المقنع ثم قال و لا مخالف له من علماء الأمة. (الإتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۲/ ۴۴۳)

(۱) (تفصیل کے لئے دیکھئے: ''حرف شیریں'' مؤلفہ حضرت مولانا نور عالم خلیلی امینی صاحب، استاذ الادب دار العلوم دیوبند)

تفریعات:

۱-پس گھر میں چھوٹا بچہ تلاوت کرے اور گھر والے پہلے سے کام میں مشغول ہوں تو ان کے لئے سننا واجب نہیں ترک استماع میں وہ معذور ہوں گے، برخلاف اگر انہوں نے پہلے سے کام جاری نہ کیا ہو تو سننا واجب ہے۔

۲-کوئی شخص فقہ وغیرہ لکھ رہا ہو یا اس کا مطالعہ کر رہا ہو اور اس کے پاس آکر کوئی آدمی تلاوت شروع کردے تو نہ سننے میں اس کے لئے مضائقہ نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں گناہ قاری پر ہوگا، کہ یہ اس کے اعراض کا سبب بنا۔

۳-کوئی شخص پہلے سے سونے کے لئے لیٹا ہوا اور اس کے سامنے تلاوت کی جائے تو عدم استماع میں وہ معذور ہوگا، اور گناہ تلاوت کرنے والے پر ہوگا، کیونکہ وہ اعراض کا سبب بنا، نیز یہاں اس وجہ سے بھی کہ یہ اس کی نیند میں خلل ڈال رہا ہے، اور بندے کا حق مقدم ہے اللہ تعالیٰ کے حق سے، کہ بندے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ محتاج نہیں۔ (۱)

فائدہ: شامی میں شرح منیہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ "قرآن جب پڑھا جائے تو اس کا سننا فرض کفایہ ہے، کیونکہ یہ فرضیت قرآن کے حق کی بنا پر ہے کہ اس کی طرف التفات کیا جائے اور ضائع ہونے سے اس کو بچایا جائے اور یہ بات بعض کے خاموش رہنے اور سننے سے حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ سلام کا جواب دینا کہ یہ مسلمان کے حق

---

(۱)قال في القنية: صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة وإلا فلا، وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن. وفي الفتح عن الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فالإثم على القارئ وعلى هذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم اهـ أي لأنه يكون سببا لإعراضهم عن استماعه، أو لأنه يؤذيهم بإيقاظهم تأمل مطلب. (ردالمحتار: ۱/۵۴۶، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة)

(كذافی الفتاوی الهنديه: ۵/۳۱۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع)

کی بنا پر ہے، اور اس میں بعض کا جواب دینا کل کی طرف سے کفایت کرجاتا ہے — مگر آگے حموی کے حوالہ سے منقول ہے کہ ان کے استاذ قاضی القضاۃ یحیٰ منقاری زادہ نے بیان کیا کہ اس مسئلہ پر ان کا ایک مستقل رسالہ ہے جس میں یہ تحقیق کی گئی ہے کہ استماع قرآن فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے'' اھ۔

پس یہ مسئلہ محققین علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے اور اختلاف سے گنجائشیں نکل آتی ہیں، اس لئے جہاں ضرورت ہو جیسے مدارس میں کہ بسا اوقات قریب کی درسگاہوں سے تلاوت کی آواز آتی رہتی ہے: پہلے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، ورنہ عام حالات میں دوسرا قول اختیار کرنا چاہئے کہ اس میں احتیاط ہے۔ (۱)

۵۷۵- **ضابطہ:** قرآن بھولنے پر جو وعید ہے اس میں بھولنے کا معیار یہ ہے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا بھی ممکن نہ ہو۔ (۲)

پردہ اور اس کے متعلقات کا بیان

۵۷۶- **ضابطہ:** ہر وہ شخص جس سے نکاح کبھی جائز نہ ہو وہ محرم ہے عورت

---

(۱) وفي شرح المنية: والأصل أن الاستماع للقرآن فرض كفاية لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتا إليه غير مضيع وذلك يحصل بإنصات البعض، كما في رد السلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل، إلا أنه يجب على القارئ احترامه بأن لا يقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعا للحرج، وتمامه في ط. ونقل الحموي عن أستاذه قاضي القضاة يحيى الشهير بمنقاري زاده أن له رسالة حقق فيها أن استماع القرآن فرض عين. (ردالمحتار: ۱/۵۴۶، كتاب الصلاة، فصل في القراءة)

(۲) إذا حفظ الإنسان القرآن ثم نسيه فإنه يأثم، وتفسير النسيان أن لا يمكنه القراءة من المصحف. (الفتاویٰ الهندية: ۵/۳۱۷، كتاب الكراهية، الباب الرابع)

کے لئے اس سے پردہ نہیں ہے؛ اور جس سے فی الحال یا آئندہ کسی وقت نکاح درست ہے وہ غیر محرم ہے اس سے پردہ لازم ہے۔ (۱)

تفریع: پس ابا خسر، دادا خسر، نانا خسر، اور داماد سے پردہ لازم نہیں، کیونکہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے۔

اور چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، ماموں زاد بھائی اور ان کی مذکر بالغ اولاد؛ رشتہ (یعنی دور) کے ماموں، چچا، خالو، پھوپھا، حقیقی پھوپھا، حقیقی خالو، سمدھی (ویوائی) جیٹھ، دیور، بہنوئی، نندوئی (نند کا شوہر) چچا خسر، ماموں خسر، خالو خسر اور ان کی مذکر بالغ اولاد، شوہر کے بھانجے، شوہر کے بھتیجے، بھانجی کا شوہر، بھتیجی کا شوہر (یعنی پھوپھی اور خالہ کے لئے اپنا بھتیجا و بھانجا داماد) اور سوکن کے داماد وغیرہ سے پردہ لازم ہے کہ ان سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام نہیں، بلکہ متعلقہ رشتہ ختم ہونے کے بعد ان سے نکاح جائز ہوتا ہے۔

۵۷۷- **ضابطہ**: ہر وہ عضو جس کی طرف دیکھنا مرد کا مرد کے حق میں حلال ہے، عورت کا دوسری عورت اور مرد کے حق میں حلال ہے؛ اور جس کی طرف دیکھنا مرد کا مرد کے حق میں حلال نہیں، عورت کا عورت اور مرد کے حق میں حلال نہیں۔ (۲)

تشریح: ایک مرد دوسرے مرد کے سارے جسم کو دیکھ سکتا ہے سوائے ناف سے

---

(۱) (المبسوط للسرخسي: ۶۰/۳، کتاب الاستحسان، ط: إدارة القرآن، کراچی؛ الدر المختار: ۳۶۷/۶، کتاب الحظر و الإباحة، فصل في النظر و المس)

(۲) فكل مايحل للرجل أن ينظر إليه من الرجل يحل للمرأة أن تنظر إليه من المرأة، و كل مايحل له لايحل لها. (بدائع الصنائع: ۱۲۴/۵، کتاب الإستحسان)

(والمرأة للمرأة والرجل كالرجل للرجل)، و معناه المرأة والرجل للمرأة كالرجل للرجل... الخ (تبیین الحقائق شرح کنز: ۱۸/۶، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی النظر و المس)

لے کر گھٹنے تک کا حصہ کہ یہ ستر ہے (گھٹنا ستر میں شامل ہے ناف شامل نہیں[1]) تو ایک عورت کے لئے بھی دوسری عورت اور مرد کے حق میں یہی حکم ہوگا کہ وہ دوسری عورت کو اور مرد کو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصے کو نہیں دیکھ سکتی ہے، اس کے علاوہ باقی اعضاء مثلاً پیٹ، پشت، سینہ، وغیرہ کو دیکھنے میں حرج نہیں۔[2]

البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کافرہ دفاجرہ عورت کے سامنے نیک وصالح عورت کو اپنے اعضاء بلاضرورت ظاہر نہیں کرنے چاہئے، بلکہ ایسی عورت سے کوئی بات بھی کرے تو پردہ کے ساتھ کرے، یہ احتیاط کی بات ہے، کیونکہ پھر یہ اس کے محاسن اجنبی مردوں کے سامنے بیان کرے گی، جس سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔[3]

وضاحت: اور ہدایہ میں جو مبسوط کے حوالہ سے ہے کہ عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بمنزلہ مرد کا اپنی محرم عورتوں کو دیکھنے کے ہے، پس عورت اجنبی مرد کے پیٹ اور پشت کو بھی نہیں دیکھ سکتی، تو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عام متون کے خلاف ہے اور اول بات ہی معول ہے، یعنی راجح قول کے مطابق عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بمنزلہ مرد کا مرد کو دیکھنے کے ہے، نہ کہ بمنزلہ مرد کا اپنی محرم عورت کو دیکھنے کے۔[4]

---

(۱) فالركبة عورة والسرة ليست بعورة عندنا. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۲۳، کتاب الإستحسان)

(۲)فتنظر المرأة من المرأة إلى سائر جسدها إلا مابين السرة والركبة ... ولايجوز لهاأن تنظر مابين سرتها إلى الركبة إلاعند الضرورة. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۲۴، کتاب الإستحسان)

(۳)ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج اهـ (ردالمحتار: ۶/ ۳۷۱، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس)

(۴)(وكذا) تنظر المرأة (من الرجل) كنظر الرجل للرجل (إن أمنت ←

فائدہ: عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنے کا جواز اس روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے حبشیوں کا کھیل دکھلایا تھا، اور جس روایت میں ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے آنے پر نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو پردے کا حکم فرمایا تھا، اور ان کے اس عذر پر کہ 'وہ نابینا ہیں' فرمایا تھا کہ 'تم تو نابینا نہیں ہو'! اس کے متعلق محدثین وفقہاء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ اس وجہ سے ہو کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے جسم میں ستر کا کوئی حصہ کھلا رہ گیا ہو اور عدم بصارت کی وجہ سے ان کو اس کا علم نہ ہوا ہو —— اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دور نبوی میں عورتوں کا مسجد نبوی میں، اور بازار اور سفر میں آنا جانا رہتا تھا، اس وقت ان کے لئے تو نقاب کا حکم تھا تاکہ مردان کو نہ دیکھیں، مگر کبھی بھی مردوں کو نقاب کا حکم نہیں دیا گیا کہ عورتیں انہیں نہ دیکھیں، معلوم ہوا کہ دونوں طائفوں کا حکم الگ الگ ہے، اسی بنا پر امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''ہم نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے حق میں ایسا ہی ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے حق میں، بلکہ یہ تو امرد کے چہرہ کے مانند ہے، کہ امرد کا چہرہ دیکھنا صرف فتنہ کے وقت حرام ہے ورنہ حرام نہیں (اسی طرح عورت کے لئے مرد کا چہرہ وغیرہ دیکھنا صرف فتنہ کے وقت یعنی شہوت کا اطمینان نہ ہونے کے وقت حرام ہوگا، عام حالات میں نہیں) چنانچہ تواتر سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ مرد چہرہ کھلا رکھتے ہیں اور عورتیں نقاب کے ساتھ نکلتی ہیں، اگر دونوں کا حکم برابر ہوتا تو مردوں کو نقاب کا حکم دیا جاتا، یا عورتوں

← شهوتها)... كالرجل هو الصحيح في الفصلين تتارخانية معزيا للمضمرات (الدر المختار) (قوله وكذا تنظر المرأة إلخ) وفي كتاب الخنثى من الأصل أن نظر المرأة من الرجل الأجنبي بمنزلة نظر الرجل إلى محارمه، لأن النظر إلى خلاف الجنس أغلظ هداية والمتون على الأول فعليه المعول (ردالمحتار: ۶/ ۳۷۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

کو باہر نکلنے سے ہی منع کر دیا جاتا" اھ۔[1]

ملحوظہ: یہ تو بیان حقیقت تھی جو علمائے محققین نے بیان کی ہے، تاہم اس فتنہ کے دور میں عورتوں کو یہ مسئلہ نہیں بتانا چاہئے، کہ بہت سی چیزیں جائز ہوتی ہیں مگر سد باب کے لئے اس کی اجازت نہیں دی جاتی، نیز وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ. الآية. کا حکم بھی ہے کہ عورتیں بھی اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔

علاوہ ازیں بسا اوقات کوئی چیز ستر میں نہ ہونے کی بنا پر اس کو دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے مگر فتنے کے اندیشہ سے منع کر دیا جاتا ہے، جیسے عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اس کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں، کیونکہ چہرہ اعظم محاسن سے ہے اس کو دیکھنے میں فتنہ شدید ہے، اسی طرح عورتوں کو اگر چہ مرد کے مذکورہ اعضاء کا بوقت امن دیکھنا جائز ہے، مگر اس سے اجتناب دلوں کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔

۵۷۸- ضابطہ: عورت کی آواز ستر ہے، نامحرموں تک پہنچانا جائز نہیں۔

---

(۱) والجمع بين الحديثين احتمال تقدم الواقعة أو أن يكون في قصة الحديث الذي ذكره نبهان شيء يمنع النساء من رؤيته لكون بن أم مكتوم كان أعمى فلعله كان منه شيء ينكشف ولا يشعر به ويقوى الجواز استمرار العمل على جواز خروج النساء إلى المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا يراهن الرجال ولم يؤمر الرجال قط بالانتقاب لئلا يراهم النساء فدل على تغاير الحكم بين الطائفتين وبهذا احتج الغزالي على الجواز فقال لسنا نقول أن وجه الرجل في حقها عورة كوجه المرأة في حقه بل هو كوجه الأمرد في حق الرجل فيحرم النظر عند خوف الفتنة فقط وأن لم تكن فتنة فلا إذ لم تزل الرجال على ممر الزمان مكشوفي الوجوه والنساء يخرجن منتقبات فلو استووا لأمر الرجال بالتنقب أو منعن من الخروج اه وتقدمت سائر مباحث حديث الباب في أبواب العيدين. (فتح الباری لابن حجر: ۹/ ۳۳۷، کتاب النکاح، باب نظر المرأة إلى الحبش ونحوهم من غير ريبة)

تفریع: پس عورت کا اذان دینا ــــ یا بلند آواز سے تلبیہ کہنا ــــ یا نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنا ــــ یا لاؤڈ اسپیکر میں ترانہ پڑھنا یا تقریر کرنا اس طرح کے مرد بھی سنیں ــــ یا کیسٹ وغیرہ میں ترانہ یا تقریر کو ریکارڈ کرنا جو مردوں تک بھی پہنچے یہ جائز نہیں حرام ہے۔

البتہ بوقت ضرورت جبکہ فتنہ نہ ہو کسی نامحرم سے پس پردہ کلام کی گنجائش ہے، تاہم اس وقت کلام میں بتکلف درشتی پیدا کرے، نرم، پرکشش اور متلین گفتگو سے اجتناب کرے۔[1]

---

(۱)فظهر الكف عورة على المذهب (والقدمين) على المعتمد، وصوتها على الراجح. (الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله على الراجح) عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه. وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده. ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب قال - عليه الصلاة والسلام - "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء" فلا يحسن أن يسمعها الرجل. اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهرا لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان بحر.

قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقراءة في الصلاة فسدت كان متجها، ولهذا منعها - عليه الصلاة والسلام - من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق اهـ وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد؛ ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها، لأن ذلك ليس بصحيح، فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. اهـ. قلت: ويشير إلى ←

۵۷۹-**ضابطہ**: جس عضو کا دیکھنا جائز ہے اس کا چھونا جائز ہے بشرطیکہ شہوت سے امن ہو۔[۱]

تشریح: امن سے مراد جانبین سے امن ہونا ہے، اگر اپنے آپ میں یا دوسری جانب میں (بذریعہ قرائن) شہوت کا اندیشہ ہے یا شک ہے یعنی دونوں امر برابر ہیں تو چھونا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے —— مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔

البتہ اجنبی جوان عورت اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے کہ اس کے چہرے اور ہتھیلی وغیرہ کو چھونا مطلقاً جائز نہیں، اگرچہ ان اعضاء کا دیکھنا بوقت امن جائز ہے، کیونکہ یہاں شہوت کا مظنہ ہے۔

پس اجنبی جوان عورت سے مصافحہ جائز نہیں، برخلاف وہ اجنبی بڑھیا جس کی شہوت مر گئی ہو اس سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ چھونا بوقت امن جائز ہے۔[۲]

← هذا تعبير النوازل بالنغمة. (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۴ باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة)

وقال العلامة الجصاص رحمه الله تعالى تحت قوله تعالى: "ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن": وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب إذ كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها ولذلك كره أصحابنا أذان النساء. (احكام القرآن للجصاص: ۵/ ۱۷۷ باب مايجب من غض البصر عن المحرمات)

(۱) (الدر المختار: ۶/ ۳۶۷، كتاب الحظر و الإباحة، فصل فى النظر و المس)

(۲) (وما حل نظره) ... (حل لمسه) إذا أمن الشهوة على نفسه و عليها، لأنه - عليه الصلاة و السلام - كان يقبل رأس فاطمة... وإن لم يأمن ذلك أو شك، فلا يحل له النظر و المس... (إلا من أجنبية) فلا يحل مس وجهها و كفها و إن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ... وهذا في الشابة، أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس ←

۵۸۰-ضابطہ: ہر ایسا لباس جس میں واجب الستر اعضاء کا حجم اور بناوٹ نظر آتی ہو، یا جس میں سے بدن کا رنگ جھلکتا ہو: اس کا پہننا مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے اور اس کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں۔

تشریح: پس بہت سی عورتیں جو اتنے باریک کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کے بدن کا رنگ صاف جھلکتا ہے، اسی طرح مرد اتنی تنگ پینٹ پہنتے ہیں یا عورتیں اتنا تنگ لباس پہنتی ہیں کہ ستر والے اعضاء کا حجم اور بناوٹ نظر آتی ہے، یہ جائز نہیں، حرام ہے۔

بلکہ باریک لباس پہننے کی صورت میں تو جبکہ اعضائے ستر صاف نظر آئیں نماز بھی صحیح نہیں ہوتی، البتہ تنگ لباس میں جبکہ کپڑا موٹا ہو نماز ہو جاتی ہے، تاہم کراہت سے خالی نہیں۔ (۱)

← بمصافحتها و مس يدها إذا أمن. (الدر المختار) (قوله أو شك) معناه استواء الأمرين . (ردالمحتار: ۳۶۷/۶، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی النظر والمس)

(۱) (قال العلامة العثمانی مد ظله العالی: "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة ،لاتقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً أو موافقاً لدور الأزياء. و كذالك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذی يحكی للناظر شكل حصة من الجسم الذی يجب ستره ، فهو فی حكم ماسبق فی الحرمة وعدم الجواز". (تكملة فتح الملهم: ۸۸/۴ كتاب اللباس و الزينة)

وفی ردالمحتار: (قوله لا يصف ماتحته) بأن لا يرى منه لون البشرة احترازا عن الرقيق ونحو الزجاج (قوله ولا يضر التصاقه) أي بالألية مثلا...وعبارة شرح المنية: أما لو كان غليظا لا يرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. اهـ. قال ط: وانظر هل يحرم النظر إلى ذلك المتشكل مطلقاأو حيث وجدت الشهوة؟ . اهـ. قلت: سنتكلم على ذلك في كتاب الحظر، ←

البتہ پینٹ پہننے والا اس کے اوپر ٹی شرٹ کے بجائے گھٹنے تک لمبا کرتہ پہنے یا عورت تنگ قمیص کی صورت میں دوپٹہ وغیرہ سے اپنے جسم کو اس طرح ڈھانک لے کہ جن اعضاء کا حجم نظر آتا ہے وہ چھپ جائے تو پھر مضائقہ نہیں یعنی اعضاء کے ظاہر کرنے کا جو گناہ ہے وہ نہیں ہوگا، تاہم فساق کے ساتھ مشابہت کی قباحت تو بہر حال رہے گی۔

۵۸۱- **ضابطہ**: نابالغ کے اعضائے مستورہ دیکھنے میں ضابطہ یہ ہے کہ:
بہت چھوٹے بچے کا ستر غلیظہ اور خفیفہ دونوں دیکھنا جائز ہے؛ پھر سات سال کی عمر تک صرف خفیفہ دیکھنا جائز ہے غلیظہ کا دیکھنا جائز نہیں؛ اور سات سال سے زیادہ عمر کا بچہ اس امر میں بالغ کے حکم میں ہے، کہ اس کا ستر خفیفہ اور غلیظہ دونوں دیکھنا جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: ستر غلیظہ سے مراد: پیشاب و پاخانہ کا مقام اور ان کے اردگرد کا حصہ ہے اور ستر خفیفہ سے ان مواضع کے سوا باقی حصہ ستر ہے۔ (۲)

← والذي يظهر من كلامهم هناك هو الأول. (ردالمحتار: ۱/۴۱۰، كتاب الصلاة، مطلب في ستر العورة)

وقال في الحظر بعد نقل كلام الفقهاء رحهم الله تعالى :وعلى هذا لايحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها. (ردالمحتار: ۶/۳۶۶، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في النظر و المس)

(۱) وفي السراج: لا عورة للصغير جدا، ثم ما دام لم يشته فقبل و دبر ثم تغلظ إلى عشر سنين، ثم كبالغ. (الدر المختار) (قوله ثم كبالغ) أي عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين. وفي النهر: كان ينبغي اعتبار السبع لأمرهما بالصلاة إذا بلغاهذاالسن. اهـ (ردالمحتار: ۱/۴۰۸ باب شروط الصلوٰة)

(۲) والغليظة قبل ودبر وما حولهما، والخفيفة ما عدا ذلك) من الرجل و المرأة. (الدر المختار: ۱/۴۰۹)

اور بہت چھوٹا بچہ یعنی جس کے دونوں ستر دیکھنا جائز ہے اس کی تحدید کے متعلق احسن الفتاویٰ میں ہے: "حد صغر میں چار سال تک کی عمر کا قول بلانسبت مذکور ہے، مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس عمر میں بچہ استنجاء وغیرہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اس لئے اس میں رأی مبتلی بہ کا اعتبار ہونا چاہئے"۔ [1]

۵۸۲-**ضابطہ**: ہر وہ عضو جس کو دیکھنا بدن سے جدا ہونے سے پہلے جائز نہیں جدا ہونے کے بعد بھی جائز نہیں، خواہ موت کے بعد ہو۔ [2]

تفریع: پس زیر ناف بال، اور عورت کے سر وغیرہ کے بال، اور عورت کی کلائی اور پنڈلی کی ہڈی وغیرہ کا دیکھنا جسم سے الگ ہونے کے بعد بھی جائز نہیں، خواہ صاحب عضو زندہ ہو یا مردہ —— اور عورت کے ناخن میں روایات مختلف ہیں کہا گیا کہ اس کے پیر کے تراشے ہوئے ناخن اجنبی کے لئے دیکھنا جائز نہیں، کیونکہ عورت کے پیر ایک روایت کے مطابق نماز سے باہر ستر ہیں، برخلاف ہاتھ کے ناخن کے، کہ ہاتھ گھٹوں تک ستر نہیں۔

پس عورت کو اپنے کٹے ہوئے ناخنوں کو-ایک روایت کے مطابق - اور گرے ہوئے بالوں کو غیر مردوں سے حتی الامکان بچانا چاہئے، انہیں کسی تھیلی وغیرہ میں جمع کر کے دفن کروادے، یا کسی محفوظ جگہ میں ڈالدے؛ اسی طرح مرد و عورت کو اپنے زیر ناف کے بال غسل خانہ میں یوں ہی نہیں چھوڑنا چاہئے-کہ محرم کے لئے بھی اس کا دیکھنا جائز نہیں- بلکہ نالی میں اس کو بہادے یا کسی تھیلی وغیرہ میں اس طرح لپیٹ کر پھینک دے کہ کسی کی نظر نہ پڑے، اس میں نظافت، اور شائستگی بھی ہے۔ [3]

---

(۱)(احسن الفتاوی: ۸/ ۲۶۲، متفرقات الحظر و الإباحة)

(۲)(الدر المختار: ۶/ ۳۷۱، ۶/ ۳۷۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی النظر و المس)

(۳) (و کل عضو لا یجوز النظر إلیه قبل الانفصال لا یجوز بعده) ولو بعد ←

استدراک: ہم نے اوپر جو تفریع میں لکھا کہ بالوں کو "نالی میں بہادے" تو خانیہ کی اس بات سے اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ "غسل خانہ میں اور بیت الخلاء میں کٹے ہوئے بالوں کو ڈالنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے" اس لئے کہ اس کا مصداق وہ غسل خانہ اور بیت الخلاء ہے جہاں بال جمع رہتے ہوں اور اس کے صفائی کی کوئی راہ نہ ہو (کمایدل علیه التعلیل: "لأنه یورث داء") پس جس غسل خانہ میں بال جمع نہ رہتے ہوں بلکہ اس میں کوئی مساغ یعنی نالی کے اندر بہانے کی کوئی راہ ہو تو بہانے میں حرج نہیں ہونا چاہئے خصوصاً بغل اور زیر ناف کے بالوں کو، واللہ اعلم بالصواب۔

خانیہ کی عبارت یہ ہے: فإذا قلم أظفاره أو جز شعره ینبغي أن یدفنه فإن رمی به فلا بأس وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل كره لأنه يورث داء. خانية. (ردالمحتار: ۶/۳۷۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی البیع)

۵۸۳-**ضابطہ:** جس کو دیکھنا جائز نہیں اس کا تفکر (بتکلف سوچنا) بھی جائز نہیں۔(۱)

تفریع: پس کسی نامحرم عورت کو سوچ کر شہوت پیدا کرنا، یا بیوی سے جماع کے وقت کسی اجنبیہ کے محاسن کا تصور کرنا اور یہ خیال کرنا گویا میں اس اجنبیہ سے جماع کر رہا ہوں یہ جائز نہیں، حرام ہے۔(۲)

← الموت کشعر عانة وشعر رأسها وعظم ذراع حرة ميتة وساقها وقلامة ظفر رجلها دون يدها مجتبى. (الدر المختار) (قوله وقلامة ظفر رجلها) أي الحرة لا بقيد كونها ميتة وهذا بناء على كون القدمين عورة كما مر. (ردالمحتار: ۶/۳۷۱، ۶/۳۷۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی النظر و المس)

(۱) ذكر بعض الشافعية :أنه كما يحرم النظر لما لا يحل يحرم التفكر فيه. (شامی: ۶/۳۷۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی النظر و المس)

(۲) لو وطئ حليلته متفكرا في محاسن أجنبية حتى خيل إليه أنه يطؤها ←

۵۸۴- ضابطہ: پردہ کا مبنی قدرت علی الجماع نہیں، بلکہ استلذاذ وشہوت ہے۔ (۱)

تفریع: پس بوڑھے آدمی، ہیجڑے، نامرد، بلکہ ایسے شخص سے بھی عورت کو پردہ لازم ہے جس کا عضوتناسل خشک ہوگیا ہو یا کٹا ہوا ہو، کیونکہ ان سب میں لذت جماع اور شہوت کا کچھ نہ کچھ مادہ ہوتا ہے اگرچہ وہ لوگ جماع پر قادر نہیں ہوتے۔ (۲)

اسی طرح مراہق بچہ یعنی وہ بچہ جو بلوغ سے اتنا قریب ہو کہ اس کو خواہش ہونے لگے اور باحیاء عورتیں اس جیسے سے شرم محسوس کرتی ہوں، اس سے بھی عورت کو احتیاطا پردہ کرنا چاہئے۔ (۳)

لباس کا بیان

۵۸۵- ضابطہ: جس کا پہننا حرام ہے اس کا پہنانا بھی حرام ہے۔ (۴)

← ...والأقرب لقواعد مذهبنا عدم الحل، لأن تصور تلك الأجنبية بين يديه يطؤها فيه تصوير مباشرة المعصية على هيئتها. (الحوالة السابقة)

(۱)(مستفاد: الدر المختار وغيره)

(۲)والخصي والمجبوب والمخنث في النظر إلى الأجنبية كالفحل) وقيل لا بأس بمجبوب جف ماؤه لكن في الكبرى أن من جوزه فمن قلة التجربة والديانة (الدر المختار: ۶/۳۷۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

وأجمعوا أن العجوز لا تسافر بغير محرم، فلا تخلو برجل شابا أو شيخا. (ردالمحتار: ۶/۳۶۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

(۳)ثم رأيته في الخانية قال الصبي الذي يجامع مثله كالبالغ قالوا وهو أن يجامع ويشتهي، وتستحي النساء من مثله وهو ظاهر في اعتبار كونه مراهقا لا ابن تسع. (ردالمحتار: ۳/۳۵، كتاب النكاح، فروع طلق امرأته تطليقتي)

(۴)ما حرم لبسه وشربه حرم إلباسه وإشرابه. (الدر المختار: ۶/۳۶۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

تفریع: پس چھوٹے مذکر بچے کو ریشم پہنانا، یا سونا چاندی وغیرہ کے زیور پہنانا جائز نہیں، کیونکہ مردوں کے لئے ریشم اور سونے چاندی کا پہننا جائز نہیں —— بچی کو پہنانے میں حرج نہیں، کیونکہ عورتوں کے لئے اس کی اجازت ہے۔[۱]

نیز چھوٹے بچوں کو خواہ مذکر ہو یا مؤنث فساق وکفار کا لباس- یعنی ایسا لباس جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے- پہنانا جائز نہیں جیسا کہ بڑوں کے لئے پہننا جائز نہیں، حدیث میں ہے: جو جس کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انجام کار انہیں میں سے ہوجاتا ہے۔[۲] پس والدین کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، کہ وہی اس کے ذمہ دار ہوں گے، بچہ تو غیر مکلف ہونے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔

۵۸۶- **ضابطہ**: ہر وہ لباس جو ستر کے لئے ناکافی ہو؛ یا شرعاً ممنوع ہو؛ یا کفار وفساق کا مخصوص لباس ہو: اس کا پہننا جائز نہیں، اور جو علماء وصلحاء کا شعار ہو اس کا پہننا مستحسن ہے۔

تشریح: لباس ہر زمانہ اور ہر علاقہ کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، شریعت اسلامی نے اس سلسلہ میں یہ وسعت رکھی ہے کہ کوئی مخصوص نوعیت یا ہیئت کو متعین نہیں کیا۔[۳]

---

(۱) وكره إلباس الصبي ذهبا أو حريرا الخ. (الدر المختار) (قوله وكره إلخ) لأن النص حرم الذهب والحرير على ذكور الأمة بلا قيد البلوغ، والحرية والإثم على من ألبسهم لأنا أمرنا بحفظهم ذكره التمرتاشي. (ردالمحتار: ۳۶۳/۶ كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

(۲) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد: ۴۴/۴ حديث: ۴۰۳۱ كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة)

(۳) فأما هيئة اللباس فتختلف عادة كل بلد. (فتح الباري: ۳۳۲/۱۰، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال) ←

البتہ شرعی اصولوں کی رو سے اس میں یہ ضابطہ ہے کہ ہر ایسا لباس جو ستر کے لئے ناکافی ہو بایں وجہ کہ اتنا مختصر ہو کہ ستر کا کوئی حصہ کھلا رہے یا یا اتنا باریک ہو کہ جسم کی رنگت اس میں سے صاف نظر آئے، یا اتنا تنگ ہو کہ مخفی اعضاء کا حجم یا بناوٹ ظاہر ہو تو اس کا پہننا جائز نہیں ـــــ اسی طرح جو لباس شرعاً ممنوع ہو جیسے مرد کے لئے ریشم تو اس کی اجازت نہیں ـــــ نیز جو لباس کفار وفساق کا شعار ہو وہ بھی ممنوع ہے، حدیث شریف میں ہے جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ (انجام کار) ان میں سے ہو جاتا ہے، فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''کفار کے شعار غیر مذہبی کو اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے جو کہ حرام کے قریب ہے، اور ان کے شعار مذہبی کو اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، یہ کفر کے قریب ہے'' اھ

اور جو لباس علماء اور صلحاء کا مخصوص ہو اس کو پہننا مستحسن ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

ع: احب الصالحين ولست منهم ـــــ لعل الله يرزقني صلاحا

ترجمہ: میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں گو نیک نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے اس محبت کے صلے میں اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیک بنادے![1]

← فإن الإسلام ... لم يقصره على نوع دون نوع ولم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئة خاصة من اللباس ...وإنما وضع مجموعة من المبادى، الخ (تكملة فتح الملهم: ۸۷/۴، كتاب اللباس والزينة)

(۱) فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة، لاتقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً أو موافقا لدور الأزياء. وكذالك اللباس الرقيق أو الاصق بالجسم الذى يحكى للناظر شكل حصة من الجسم الذى يجب ستره، فهو فى حكم ماسبق فى الحرمة وعدم الجواز. (تكملة فتح الملهم: ۸۸/۴، كتاب اللباس والزينة)

عن عمر قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي يده صرتان: أحدهما من ذهب، والآخر من حرير، فقال: هذان حرام على الذكور من ←

ایک واقعہ:

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے ایک عجیب ودلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اوراس کے ساتھیوں کو پانی میں غرق کیا تو فرعون کا وہ مسخرہ غرق نہیں ہوا جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ہر چیز: لباس، کلام، انداز بیان وغیرہ میں نقل اتارتا تھا اوراپنی حرکات وسکنات سے قوم کو ہنسایا کرتا تھا، تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! یہ تو باقی فرعونیوں سے زیادہ مجھے تکلیف پہنچاتا تھا اوراس پر عذاب نہیں آیا! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اس کو اس لئے غرق نہیں کیا کہ وہ آپ کے لباس میں تھا اور حبیب اس شخص کو عذاب نہیں دیتا ہے جو اپنے حبیب کی شکل وصورت میں ہو!!!

اس کے بعد ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دیکھئے جو شخص اہل حق کی مشابہت باطل ارادے سے اختیار کرتا ہے تو اس کو ظاہری نجات حاصل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ حقیقی نجات تک پہنچا دیتا ہے تو کیا حال ہوگا اس شخص کا جو انبیاء واولیاء کی مشابہت تعظیم وتشریف کے قصد سے اپنائے!!! اھ [۱]

← أمتي، حلال للإناث (کنز العمال: ۱۵/ ۶۸ ۲ حدیث: ۱۸۵۷ ۴ محظور اللباس الحریر)

من تشبه بقوم أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم أي في الإثم والخير

(مرقاة المفاتيح: ۸/ ۱۵۵، کتاب اللباس، الفصل الثانی، رشیدیه کوئٹه)

---

(۱) وقد حكي حكاية غريبة ولطيفة عجيبة وهي أنه لما أغرق الله سبحانه فرعون وآله لم يغرق مسخرته الذي كان يحاكي سيدنا موسى عليه الصلاة والسلام في لبسه وكلامه ومقالاته فيضحك فرعون وقومه من حركاته وسكناته فتضرع موسى إلى ربه يارب هذا كان يؤذيني أكثر من بقية آل فرعون فقال الرب تعالى ما أغرقناه فإنه كان لابسا مثل لباسك والحبيب لا يعذب من كان على صورة الحبيب فانظر من كان متشبها بأهل الحق على قصد الباطل حصل له نجاة

۵۸۷-**ضابطہ:** مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت حرام ہے۔

تشریح: یہ اصول لباس، زینت کی اشیاء، رفتار، گفتار، نشست و برخاست وغیرہ ہر چیز میں ہے، کہ جو چیزیں عرفا یا شرعا مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں عورتوں کا انہیں اختیار کرنا یا جو چیزیں عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مردوں کا انہیں اپنانا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔[1]

۵۸۸-**ضابطہ:** خوبصورت وعمدہ کپڑوں کا پہننا جائز ہے، جبکہ اس کو پہننے میں تکبر نہ ہو؛ اور تکبر نہ ہونا یہ ہے کہ اس کے پہننے پر اس کی حالت (رفتار گفتار وغیرہ میں) ویسی ہی رہے جیسا کہ پہننے سے پہلے تھی۔[2]

← صورية وربما أدت إلى النجاة المعنوية فكيف بمن يتشبه بأنبيائه وأوليائه على قصد التشرف والتعظيم وغرض المشابهة الصورية على وجه التكريم. (مرقاة المفاتيح: ۱۵۵/۸، كتاب اللباس، الفصل الثانی)

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال. (صحيح البخاری: ۱۵۹/۷ حديث: ۵۸۸۵ كتاب اللباس، باب: المتشبهون بالنساء، والمتشبهات بالرجال)

عن ابن عباس، قال: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم"، قال حجاج فقال: لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال. (مسند أحمد: ۲۴۳/۵ حديث: ۳۱۵۱ مسند بنی هاشم)

(۲) وفي الهندية عن السراجية: لبس الثياب الجميلة مباح إذا لم يتكبر وتفسيره أن يكون معها كما كان قبلها اهـ (ردالمحتار: ۳۵۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس)

فائدہ: لباس بلکہ تمام مصارف کے پانچ درجات ہیں:
(۱) ضرورت ــــ (۲) حاجت ــــ (۳) آسائش ــــ (۴) آرائش وزیبائش ــــ (۵) نمائش۔

ضرورت: جو لوازم زندگی میں سے ہو، اس کے نہ ہونے سے ضرر لاحق ہو، جیسے بقدر کفایت طعام ولباس وغیرہ۔

حاجت: جس کے نہ ہونے سے ضرر تو نہ ہو، مگر گزارا مشکل ہو، جیسے قدر کفایت سے زائد حاجات میں کام آنے والی اشیاء۔

آسائش: حاجت سے زائد آرام وراحت کی اشیاء۔

آرائش وزیبائش: صرف زیب وزینت کی اشیاء۔

نمائش: جس سے فخر ونمود مقصود ہو۔

ضرورت پر خرچ کرنا فرض ہے اور حاجت، آسائش، آرائش وزیبائش پر خرچ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اسراف نہ ہو (اسراف یہ ہے کہ بلا ضرورت آمدنی سے زائد خرچ کرے) اور نمائش کے لئے خرچ کرنا حرام ہے۔

زیبائش اور نمائش فعل قلب کے قبیل سے ہیں، دونوں میں فرق صرف نیت سے ہوتا ہے، اس لئے بلا وجہ کسی پر حکم لگانا صحیح نہیں۔

پس خوبصورت چیزیں، مثلاً اچھا لباس، عمدہ گھر، شاندار قالین وچادریں بہترین گلدستہ ولفافہ وغیرہ اگر محض زینت کے لئے یا دوسرے کا دل خوش کرنے کی غرض سے اختیار کرے تو جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں جیسے کسی کو ہدیہ تحفہ دینا ہو تو القاء السرور فی قلب المومن کے تحت باعث ثواب ہے، لیکن اگر ان سے فخر ونمود مقصود ہو تو بلا شبہ ناجائز اور حرام ہیں۔[1]

(۱) (مستفاد: احسن الفتاوی: ۸/۱۴۷ - ۱۴۸، کتاب الحظر والإباحة، ملخصاً)

ریشم کا بیان

تمہید: جاننا چاہئے کہ عورت کے لئے ریشم کا استعمال جائز ہے۔ (۱) اور مرد کے لئے جائز نہیں، مگر مرد کے لئے بھی ممانعت مطلقاً نہیں بلکہ اس میں کچھ قیودات ہیں، اس سلسلہ میں ضوابط یہ ہیں:

۵۸۹- ضابطہ: مرد کے لئے ریشم کے استعمال میں وہ طریقہ حرام ہے جو بحیثیت لباس کے ہو اور جو ایسا نہ ہو وہ حلال ہے۔ (۲)

تفریعات:

۱- پس گھر میں ریشم کا پردہ لٹکائے ـــــ یا ریشم کا تکیہ یا بچھونا استعمال کرے ـــــ یا ریشم کی مچھر دانی میں سوئے ـــــ یا ریشم کے مصلی پر نماز پڑھے ـــــ یا قرآن کا جزدان ریشم کا بنائے ـــــ یا دستی رومال ریشم کا استعمال کرے؛ تو جائز ہے، کیونکہ یہ استعمال بحیثیت لباس کے نہیں ہے۔ (۳)

۲- قنیہ میں ہے کہ کوئی شخص کندھے پر ریشم کا جبہ ڈال کر برائے فروخت نکلے تو

---

(۱) (کنز العمال: ۱۵/ ۴۶۸ حدیث: ۴۱۸۵۷ محظور اللباس الحریر)

(۲) لأن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه، فليس بحرام كما في صلاة الجواهر (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس)

(۳) وفيه أن له أن يزين بيته بالديباج ويتجمل ـــــ ويحل توسده وافتراشه والنوم عليه ـــــ ولا بأس بكلة الديباج ـــــ ولا تكره الصلاة على سجادة من الإبريسم ـــــ وكذا الكتابة في ورق الحرير وكيس المصحف والدراهم... ونحو ذلك مما فيه انتفاع بدون لبس ـــــ ومفاده جواز اتخاذ خرقة الوضوء منه بلا تكبر إذ ليس بلبس لا حقيقة ولا حكما. (الدر المختار ورد المحتار: ۶/ ۳۵۳ تا ۳۵۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس)

اس میں حرج نہیں جب تک کہ اس کی آستینوں میں ہاتھ داخل نہ کرے کیونکہ یہ اٹھانا بطور لباس کے نہیں ہے ــــ بلکہ کہا جائے گا یہاں مقصود اٹھانا ہے بطور لباس استعمال کرنا نہیں (تا کہ اس سے کندھے پر ڈالنے والے بڑے رومال کے جواز پر استدلال نہ ہو کیونکہ وہ مشابہ لباس ہے اور اس کا استعمال جائز نہیں)[۱]

۳- لیکن ریشم کی چادر یا لحاف کا استعمال جائز نہیں کیونکہ یہ ایک گونہ لباس ہے۔[۲]

۴- اسی طرح کرسی یا سواری پر کھانا کھاتے وقت گود میں جو کپڑا رکھا جاتا ہے جس کو عربی میں شکیرا کہا جاتا ہے- تا کہ کھانے کے ذرات یا چکناہٹ سے کپڑے خراب نہ ہو- وہ کپڑا ریشم کا استعمال کیا جائے تو جائز نہیں، کیونکہ یہ لباس کی طرح ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہ جو مشہور ہے کہ مذکورہ کپڑے میں اہانت ہے اس لئے حرج نہیں، تو یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اہانت پر جواز کا مدار تو وہاں ہے جہاں استعمال بحیثیت لباس کے نہ ہو جیسا کہ تکیہ، بچھونا وغیرہ؛ ورنہ تو زخم کی پٹی اور کمر بند (ناڑا) میں ریشم کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے، کیونکہ ان میں اہانت اس سے زیادہ ہے حالانکہ وہ جائز نہیں، پس معلوم ہوا کہ اصل اعتبار لبس اور عدم لبس کا ہے۔[۲]

(۱) وفي القنية دلال يلقي ثوب الديباج على منكبيه للبيع يجوز إذا لم يدخل يديه في الكمين ... ووجه الأول: أن إلقاء الثوب على الكتفين إنما قصد به الحمل دون الاستعمال فلم يشبه اللبس المقصود للانتفاع تأمل. (الدر المختار ورد المحتار: ۳۵۴/۶، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في اللبس)

(۲) أقول: ومفاده جواز اتخاذ خرقة الوضوء منه بلا تكبر إذ ليس بلبس لا حقيقة ولا حكما بخلاف اللحاف والتكة وعصابة المفتصد تأمل لكن نقل الحموي عن شرح الهاملية للحدادي أنه تكره الصلاة على الثوب الحرير للرجال اهـ.

قلت: والأول أوجه إذ لا فرق يظهر بين الافتراش للجلوس أو النوم أو الصلاة تدبر ويؤخذ من مسألة اللحاف والكيس المعلق ونحو ذلك أن ما يمد على الركب عند الأكل فيقي الثوب ما يسقط من الطعام والدسم ويسمى ←

۵۹۰-ضابطہ: ریشم کے کپڑے میں اعتبار بانے کا ہے، تانے کا نہیں۔

تشریح: عرض اور چوڑائی میں جو تاگا ہوتا ہے اس کو "بانا" کہا جاتا ہے اور جو لمبائی میں ہوتا ہے اس کو "تانا" کہتے ہیں۔

پس بانا ریشم کا ہو تو اس کا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں، تانا خواہ ریشم کا ہو یا غیر ریشم کا؛ اور بانا غیر ریشم کا ہو تو اس کا پہننا جائز ہے، اگر چہ تانا ریشم کا ہو۔ (۱)

فائدہ (۱): اگر کرتے، ٹوپی، یا عمامہ وغیرہ میں ریشم سے نقش ونگار کیا یا پھول بوٹے لگائے تو چوڑائی میں چار انگل کے بقدر ہو تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، لمبائی کی کوئی تحدید نہیں —— اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرقات کو جمع نہیں کیا جائے گا، پس چار انگل سے چھوٹی کڑھائی یا پھول متعدد جگہ ہوں تو حرج نہیں، تاہم اس میں شرط ہے کہ ان کے درمیان فاصلہ کپڑے میں موجود پھول یا کڑھائی کی چوڑائی سے زیادہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ریشمی ہی معلوم ہوتا ہو تو پھر جائز نہیں۔ (۲)

← بشكير ايكره إذا كان من حرير لأنه نوع لبس وما اشتهر على ألسنة العامة أنه يقصد به الإهانة فذلك فيما ليس فيه نوع لبس كالتوسد والجلوس، فإن الإهانة في التكة وعصابة الفصادة أبلغ ومع هذا تكره فكذا ما ذكر تأمل.
(ردالمحتار: ٣٥٤/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

(۱) ويحل لبس ما سداه إبريسم ولحمته غيره ككتان وقطن وخز لأن الثوب إنما يصير ثوبا بالنسج والنسج باللحمة فكانت هي المعتبرة دون السدى.
(الدر المختار: ٣٥٤/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

السدى: (من الثوب) کپڑے کا تانا، عکس، لحمة: بانا. (القاموس الوحيد: ۱/ ۷۹۵، م: حسینیہ دیوبند) —— بانا تانا کے خلاف وہ تار جسے جولاہے عرض میں بنتے ہیں۔
(نور اللغات، ص: ۵۱۵)

(۲) يحرم لبس الحرير...على الرجل لا المرأة إلا قدر أربع أصابع كأعلام الثوب ...وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو في عمامة. ←

فائدہ(۲): آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے، اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں، ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہوجائے تو اس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہ ہوگا۔ (۱)

سونا چاندی کا بیان

۵۹۱-**ضابطہ**: زیور کے علاوہ سونا چاندی کا ہر ایسا خارجی استعمال جس کا نفع بدن کو لوٹتا ہے عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں۔ (۲)

تفریعات:

۱-پس سونا چاندی کے برتن میں کھانا پینا—یا اس کی سلائی سے سرمہ لگانا—یا

← (الدرالمختار) وهل المراد قدر الأربع أصابع طولا وعرضا بأن لا يزيد طول العلم وعرضه على ذلك أو المراد عرضها فقط، وإن زاد طوله على طولها المتبادر من كلامهم الثاني، ويفيده أيضا ما سيأتي في كلام الشارح عن الحاوي الزاهدي...(قوله وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق) أي إلا إذا كان خط منه قزا وخط منه غيره بحيث يرى كله قزا فلا يجوز كما سيذكره عن الحاوي، ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزا ونسجا إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه أربع أصابع، وإن زادت بالجمع ما لم ير كله حريرا تأمل. (ردالمحتار: ۶/۳۵۱-۳۵۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی اللبس)

(۱) (احسن الفتاوی: ۸/۶۶، کتاب الحظر و الإباحة، احکام لباس)

(۲) وكذالايجوز الاكتحال ....وكل ماكان يعود الانتفاع به إلى البدن. (الفتاوىٰ الهندية: ۵/۳۳۴ کتاب الكراهية، الباب العاشر)

وقدمناه عن الخانية أن النساء فيما سوى الحلي من الأكل والشرب والادهان من الذهب والفضة والعقود بمنزلة الرجال؛ ولا بأس لهن بلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ اهـ. (ردالمحتار: ۶/۳۵۲ کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی اللبس)

اس کی کرسی پر بیٹھنا — یا اس کا قلم یا دوات استعمال کرنا — یا اس کے آئینہ میں دیکھنا عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں جیسا کہ مردوں کے لئے جائز نہیں۔

۲- اور زینت و تجمل کے برتن میں دونوں کے لئے حرج نہیں، کہ ان کا نفع بدن کو نہیں لوٹتا۔ (۱)

۳- اور سونا چاندی کے تار سے بنے کپڑے صرف عورت کے لئے جائز ہے مرد کے لئے جائز نہیں، کیونکہ وہ بحکم زیور ہے اور زیور میں دونوں کا حکم الگ ہے۔ (۲)

۵۹۲- **ضابطہ:** مرد کے لئے کسی بھی دھات سے تحلی (تزین) پورے جسم میں کہیں جائز نہیں، البتہ صرف چاندی کی انگوٹھی کہ وہ مخصوص مقدار تک درست ہے — اور عورت کے لئے ہر قسم کی دھات سے تحلی جائز ہے، مگر محض انگوٹھی کہ اس میں سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھات کا استعمال جائز نہیں۔ (۳)

---

(۱) له أن يزين بيته بالديباج ويتجمل بأوان ذهب وفضة بلا تفاخر. (الدر المختار: ۶/ ۳۵۴ كتاب الحظر و الإباحة، فصل فی اللبس)

(۲) و كذا المنسوج بذهب إذا كان هذا المقدار أربع أصابع و إلا لا يحل للرجل زيلعي. (الدر المختار) ولا شك أن الثوب المنسوج بالذهب حلي. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۲ كتاب الحظر و الإباحة، فصل فی اللبس)

(۳) ولا يتحلى الرجل بذهب و فضة مطلقًا إلا بخاتم ... أي الفضة. (الدر المختار) (قوله ولا يتحلى) أي لا يتزين. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۹ كتاب الحظر و الإباحة فصل فی اللبس)

يجوز للنساء لبس أنواع الحلی كلها من الذهب و الفضة و الخاتم و الحلقة و السوار و الخخال و الطوق، الخ. (إعلاء السنن: ۱۷/ ۲۹۳ كتاب الحظر و الإباحة، باب حرمة الذهب علی الرجال الخ)

التختم بالحديد و الصفر و النحاس و الرصاص مكروه للرجال و النساء. (الفتاوی الهنديه: ۵/ ۳۳۴ كتاب الكراهية، الباب العاشر)

استدراک: مرد کے لئے اسٹیل وغیرہ کی چین والی دستی گھڑی کے جواز سے اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ضرورت کی بنا پر ہے تحلی کے طور پر نہیں اس لئے جائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں: ۱- اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو، جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں—— ۲- بذات خود مقصود نہ ہو کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے، صورت اولیٰ میں ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔ (۱)

فائدہ: (۱) مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے جواز میں شرط ہے کہ وہ ایک عدد ہو دو نہ ہوں، مردانی ہو زنانی نہ ہو اور وزن میں ایک مثقال یعنی ۴ر گرام ۳۷۴ر ملی گرام سے کم ہو۔ (۲)

(۲) اگر دانت وغیرہ میں بغرض علاج سونا چاندی کے استعمال کی ضرورت پڑ جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک چاندی ہی کا استعمال ضروری ہے، سونے کا استعمال درست نہیں، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کا استعمال درست ہے، امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل حدیث عرفجہ ہے کہ آپ ﷺ نے سونے کے ناک کی اجازت دی تھی، مگر شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سونے کی ناک کی اجازت ان کو بمجبوری بدبو کی وجہ سے دے گئی تھی، اور جب تک چاندی سے کام چل سکے سونے کے استعمال کی ضرورت نہیں—— تاہم چونکہ ایک روایت امام اعظم کی امام محمد کے

---

(۱) (احسن الفتاوی: ۲۱۳/۸، متفرقات الحظر و الاباحة)

(۲) و لا يتحلى الرجل بذهب و فضة مطلقا إلا بخاتم... منها: أى الفضة... و لا يزيده على مثقال (الدر المختار) و قيل لا يبلغ به المثقال ذخيرة. أقول: ويؤيده نص الحديث السابق من قوله - عليه الصلاة و السلام - و لا تتممه مثقال... إنما يجوز التختم بالفضة لو على هيئة خاتم الرجال أما لو له فصان أو أكثر حرم. (رد المحتار: ۳۶۱/۶-۳۶۲ كتاب الحظر و الإباحة، فصل في اللبس)

موافق بھی نقل کی گئی ہے اس لئے سونے کی بھی گنجائش ہے، البتہ اختلاف کی وجہ سے اجتناب احوط ہے۔ (۱)

۵۹۳- **ضابطہ**: انگوٹھی میں اعتبار حلقہ کا ہے، نگینہ کا نہیں (پس نگینہ میں کوئی قید نہیں جس چیز کا بھی ہو اور جتنے وزن کا بھی ہو جائز ہے) (۲)

تفریع: آج کل عورتوں میں ہیرے (ڈائمن) کی انگوٹھیاں مروج ہیں، جن میں عام طور پر سونا چاندی کے علاوہ اسٹیل یا ایلمونیم وغیرہ کا حلقہ ہوتا ہے یہ جائز نہیں ان کے لئے انگوٹھی صرف سونا اور چاندی ہی کی جائز ہے خواہ جس مقدار کی بھی ہو، دوسری دھات کی جائز نہیں۔ (۳)

فائدہ: یہ جو مشہور ہے کہ دوسری دھات کی انگوٹھی پہننے سے مرد وعورت کی نماز نہیں ہوتی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ نماز تو ہو جاتی ہے، تاہم اس میں کچھ کراہت ضرور آجاتی ہے، جیسا کہ مرد کا سونا یا ریشم یا عورت کا تنگ کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کا

---

(۱)(وشد السن بالفضة) أي يحل شد السن المتحرك بالفضة، ولا يحل بالذهب، وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد - رحمه الله - يحل بالذهب أيضا، وهو رواية عنهما لما روي أن عرفجة بن أسعد أصيب أنفه يوم كلاب فاتخذ أنفا من فضة..الخ (تبيين الحقائق: ۶/ ۱ كتاب الكراهية، فصل في اللبس)

(۲) والعبرة بالحلقة من الفضة لا بالفص، فيجوز من حجر وعقيق وياقوت وغيرها وحل مسمار الذهب في حجر الفص.(الدر المختار: ۶/ ۳۶۰ كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

(۳)وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجل والنساء.(ردالمحتار: ۶/ ۳۵۹-۳۶۰ كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

حکم ہے۔[۱]

۵۹۴- **ضابطہ**: سونا، چاندی اگر دوسری دھات کے ساتھ مخلوط ہو تو جو دھات غالب ہوگی اس کا حکم جاری ہوگا۔[۲]

تفریع: پس دستی گھڑی وغیرہ میں سونا چاندی کی ملاوٹ ہو تو اگر سونا چاندی غالب ہو تو جائز نہیں اور برعکس صورت ہو تو جائز ہے ——— اسی طرح مرد یا عورت کی انگوٹھی میں لوہے یا اسٹیل کی ملاوٹ ہو جیسا کہ آج کل بازار میں چاندی کے نام سے ایسی مخلوط انگوٹھیاں عام ہیں تو اگر اس میں چاندی غالب ہے تو پہننا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

البتہ تاتارخانیہ میں ہے کہ لوہے کی ایسی انگوٹھی جس پر چاندی کا ایسا ملمع کیا گیا کہ لوہا نظر نہ آئے اور وہ چاندی ہی کی لگتی ہو تو حرج نہیں۔[۳] (مگر تاتارخانیہ کی یہ بات مذکور اصول کے خلاف ہے، علاوہ ازیں عام متون کی روایت یہ ہے کہ قلعی اور گلیٹ کا اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے)

فائدہ: عورتوں کے لئے بھی سونے چاندی کی گھڑی کا استعمال وقت دیکھنے کے لئے جائز نہیں خواہ دستی گھڑی ہو یا جیبی، نیز سونا چاندی کے تعویذات بھی جائز نہیں، کیونکہ سونا چاندی کا جواز ان کے لئے محض زینت کے طور پر ہے، دوسرے مقاصد کے

---

(۱) ستر عورته ولو بما لا يحل لبسه كثوب حرير وإن أثم بلا عذر، كالصلاة في الأرض المغصوبة. (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۴، كتاب الصلوة، مطلب في ستر العورة)

(۲) وماغالبه الفضة أو الذهب فضة وذهب. (الدر المنتقى شرح الملتقى: ۴/ ۱۶۶ كتاب الصرف، مكتبه غفاريه)

والغالب عليه الغش منهما فى حكم عروض اعتبار اللغالب. (الدرالمختار: ۵/ ۲۶۶ كتاب البيوع، باب الصرف)

(۳) لا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة وألبس بفضة حتى لا يرى تاتارخانية. (ردالمحتار: ۶/ ۳۵۹-۳۶۰ كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس)

لئے درست نہیں، اسی لئے فقہاء نے عورت کے لئے ایسے سونے کی انگوٹھی کو بھی مکروہ قرار دیا ہے جس میں آئینہ ہو اور اس میں وہ اپنا چہرہ دیکھتی ہو۔ (۱)

۵۹۵-ضابطہ: سونا چاندی کی قلعی (گلیٹ) والی اشیاء کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے بالاجماع جائز ہے۔

تشریح: کیونکہ قلعی یعنی سونے چاندی کا پانی اس چیز میں کھپ جاتا ہے وہ جدا نہیں ہوسکتا اور فقط رنگت کا اعتبار نہیں، پس گھڑی، چشمہ، بٹن یا برتن وغیرہ جس میں سونا چاندی کی قلعی کی گئی ہو ان کا استعمال جائز ہے۔

ہاں مفضض یعنی جس چیز پر سونا چاندی کا اس طرح جڑاؤ کیا گیا ہو کہ وہ الگ ہوسکتا ہو تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں حرج نہیں جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا استعمال مکروہ ہے، اور امام محمدؒ سے روایات مختلف ہیں۔ (۲)

---

(۱) قال العلامة الشيخ ظفر احمدتهانوى رحمه الله تعالىٰ: "أصله ماذكره الفقهاء فى خاتم الذهب إذاكان فيه المرآة لايجوز للمرأة أن ترى وجهها فيه لكون الذهب حل لهن للزينة لالغرهامن الاستعمالات فكذا الساعة من الذهب يجوز لبسهاللنساء على اليد للزينة ولكن لايجوز اويتها لمعرفة الوقت وأمافى الجيب فلايجوز أصلا لعدم الزينة فيه . (امدادالأحكام :۴/۳۵۲ كتاب الحظر، كتاب اللباس)

(۲) لا بأس بالسكين المفضض والمحابر والركاب وعن الثاني يكره الكل والخلاف في المفضض أما المطلي فلا بأس به بالإجماع بلا فرق بين لجام وركاب وغيرهما لأن الطلاء مستهلك لا يخلص فلا عبرة للونه عيني وغيره. (الدرالمختار: ۶/۳۴۴ كتاب الحظر والإباحة)

لابأس بالانتفاع بالأوانى المموهة بالذهب والفضة بالاجماع (الفتاوىٰ الهندية: ۵/۳۳۵ كتاب الكراهية، الباب العاشر)

جسمانی وضع قطع اور زینت وآرائش کا بیان

٥٩٦- **ضابطہ**: عورت اپنے شوہر کے خاطر ہر ایسے طریقہ پر جس میں شریعت کی مخالفت نہ ہو اور کفار وفساق کے ساتھ مشابہت نہ ہو زیب وزینت کر سکتی ہے۔

فوائد قیود: (قولنا: شوہر کے خاطر) پس اگر غیر مردوں کو دکھانے یا دوسری عورتوں کے سامنے اترانہ مقصود ہو تو جائز نہیں — شوہر کے خاطر زینت کرے گی تو ثواب کی مستحق ہوگی، ورنہ یعنی غلط نیت ہوگی تو گنہ گار ہوگی۔

(قولنا: شریعت کی مخالفت نہ ہو) پس جن امور میں شریعت کی طرف سے ممانعت ہو، انہیں کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، چاہے وہ شوہر ہی کے لئے کیوں نہ ہو، حدیث میں ہے "لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف" گناہ کے کام میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اطاعت تو نیکی کے کام میں ہے۔ [1]

خلاف شریعت امور جیسے:

(۱) سر کے بال کاٹنا اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنا: کہ عورت کے لئے یہ شرعاً جائز نہیں، موجب لعنت ہے — (البتہ کسی عذر یا مرض کی وجہ سے سر کے بال کاٹنا ناگزیر ہو جائے تو بقدر ضرورت بالوں کو کاٹنے میں حرج نہیں لیکن جیسے ہی عذر ختم ہو جائے اجازت ختم ہو جائے گی) [2]

---

(۱) (صحیح البخاری: ۸۸/۹ کتاب أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الخ)

(۲) قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت زاد في البزازية وإن بإذن الزوج لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (الدر المختار: ٦/ ٤٠٧ کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

وإذا حلقت المرأة شعر رأسها فإن كان لوجع أصابها فلا بأس به وإن حلقت تشبه الرجال فهو مكروه. (البحر الرائق: ٨/ ٢٣٣ کتاب الكراهية، فصل في البيع)

(۲) بھنویں بنانا دھاگہ وغیرہ سے نوچ کر: یہ جائز نہیں، ایسی عورتوں پر لعنت آئی ہے، اور ایسا کرنا تغییر خلق اللہ کا مصداق ہے ـــــ (البتہ عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر ڈاڑھی مونچھ کے بال غیر معتاد طریقے پر نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے، اسی طرح کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا بھی جائز ہے، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں اور بدنما لگتے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق کر لینے میں بھی مضائقہ نہیں، احسن الفتاویٰ میں ہے کہ "نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے (كما يدل عليه التعليل بتغيير خلق الله) غرض یہ کہ تزیین مستحب ہے اور ازالہ عیب کا استحباب نسبۃ زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس و تغییر خلق ناجائز ہے" اھ)[1]

(۳) خوبصورتی کے لئے دانتوں میں فصل کروانا: یہ بھی تغییر خلق اللہ کے زمرہ میں آتا ہے اور موجب لعنت ہے۔[2]

(۱) (قوله والنامصة إلخ) ذكره في الاختيار أيضا وفي المغرب. النمص: نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اهـ ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب، وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه، ففي تحريم إزالته بعد، لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين، إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء. وفي تبيين المحارم إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب اهـ، وفي التتارخانية عن المضمرات: ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث اهـ ومثله في المجتبى تأمل. (رد المحتار: ۶/۳۷۳ كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس)

(۲) عن علقمة، قال عبد الله: لعن الله ... المتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله تعالى. الخ (صحیح البخاری: ۷/۱۶۴، حدیث: ۵۹۳۱، کتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن)

(۴) اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال یا خود کے علاحدہ شدہ بال جوڑنا: اس پر بھی لعنت آئی ہے[۱] —— (البتہ دھاگوں یا کپڑوں کا استعمال اس کے لئے کیا جائے جیسے ربن، چوٹی وغیرہ تو اس کی اجازت ہے اسی طرح خنزیر کے علاوہ دیگر تمام جانوروں کے بالوں کے استعمال میں بھی مضائقہ نہیں)[۲]

(۵) سر کے بالوں میں کوہان کی شکل کا جوڑا بنانا: حدیث میں اس پر سخت ممانعت آئی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بالوں کو جمع کر کے سر کے اوپر والے حصے میں باندھ دئے جائیں[۳] —— (اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے بالوں کو سنوارنا مثلاً چوٹی وغیرہ کی شکل میں بنانا جائز ہے، اور گدی پر جوڑا باندھنے میں بھی حرج نہیں، بلکہ حالت نماز میں افضل ہے، اس لئے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے)[۴]

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لعن الله الواصلة والمستوصلة. الخ. (الحوالة السابقة، حديث: ۵۹۳۳، باب الوصل في الشعر ص: ۱۶۵)

(۲) ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها كذا في الاختيار شرح المختار. ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئا من الوبر كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۵۸ كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رءوسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (صحيح مسلم: ۳/ ۱۶۸۰، كتاب اللباس، باب النساء الكاسيات الخ)

(۴) (احسن: ۸/ ۷۴-۷۵، کتاب الحظر، بالوں کے احکام)

(قولنا: کفار وفساق کے ساتھ مشابہت نہ ہو) پس پیشانی پر بندی (قشقہ: تلک) لگانا؛ یا ہونٹوں پر سرخی لگانا درست نہیں، کہ یہ کفار وفساق کا شعار ہے ——(سادا طریقے پر زینت جو فساق کے ساتھ مخصوص نہ ہو جیسے چہرے پر پاؤڈر یا کریم یا آنکھوں میں سرمہ لگانا جبکہ اس میں فریب اور نمائش مقصود نہ ہو کوئی حرج نہیں؛ بلکہ چہرے کی رونگٹے کالی ہوں اور عیب سا معلوم ہوتا ہو تو ان کی رنگت کو کھال کے مثل بنانے کے لئے "بلیچ" کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، کہ ازالہ عیب مستحب ہے اور مستحبات وضروریات میں مشابہت فساق کا اعتبار نہیں، برخلاف زینت کے کہ وہ مباح اور غیر ضروری ہے اور جو زینت مستحب ہے وہ مطلق وعام زینت ہے، پس اس میں مشابہت معتبر ہوگی)[1]

۵۹۷-ضابطه: جسم کے جن بالوں کو رکھنا شرعاً ضروری ہے، یا جن کا کاٹنا

---

(۱) ثم اعلم أن التشبيه بأهل الكتاب لا يكره في كل شيء وإنا نأكل ونشرب كما يفعلون إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموما وفيما يقصد به التشبيه كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لا يكره عندهما (البحر: ۱۱/۲ كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة)

(قوله لأن التشبه بهم لا يكره في كل شيء) فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون بحر عن شرح الجامع الصغير لقاضي خان، ويؤيده ما في الذخيرة قبيل كتاب التحري. قال هشام: رأيت على أبي يوسف نعلين مخصوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأسا؟ قال لا قلت: سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبها بالرهبان؛ فقال: كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يلبس النعال التي لها شعر، وإنها من لباس الرهبان. فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع. اهـ وفيه إشارة أيضا إلى أن المراد بالتشبه أصل الفعل: أي صورة المشابهة بلا قصد. (ردالمحتار: ۶۲۴/۱ كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة)

لازم ہے؛ ان کے علاوہ تمام بالوں کا حکم یہ ہے کہ ان کا کاٹنا ادب کے خلاف ہے۔

تشریح: پس مرد کے لئے داڑھی کے بال اور عورت کے لئے سر کے بال کہ ان کا رکھنا ضروری ہے؛ اور مونچھ، بغل اور زیر ناف کے بال کہ ان کا کاٹنا لازم ہے؛ ان کے سوا باقی سب بال جیسے سینے، کمر، کلائی، پنڈلی، حلق، گردن وغیرہ کے بال کا کاٹنا جائز تو ہے، لیکن ادب کے خلاف ہے۔(۱)

وضاحت: گردن کے بال کے متعلق امداد الفتاوی میں جو کراہت منقول ہے تو اس کی بابت احسن الفتاوی میں ہے:

''عالمگیریہ میں 'قفا' کے بال مونڈنے کی کراہت منقول ہے: عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالی یکرہ أن یحلق قفاہ إلا عند الحجامة کذا فی الینابیع.

(عالمگیریة: ۵/۳۵۷)

امداد الفتاویٰ میں غالبا اسی عبارت میں 'قفا' بمعنی گردن لے کر حکم لکھا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ 'قفا' بمعنی مؤخر الرأس (گدّی) اور مؤخر العنق (گردن کی پشت) دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے، گدّی سر کا حصہ ہے اور گردن مستقل عضو ہے، خود امداد الفتاوی جلد اول ص ۱۳ میں مسح گردن کے بیان میں تحریر ہے کہ 'قفا' رأس کا جزء ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے۔ لہٰذا گدّی کا حلق قزع میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، مگر گردن کا حلق مکروہ ہونے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں، حضرت گنگوہی'' فرماتے ہیں:

''گردن جدا عضو ہے اور سر جدا، لہٰذا گردن کے بال منڈانا درست ہے؛ سر کا جوڑ علاحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے، اس سے نیچے گردن ہے'' (فتاوی رشیدیہ:

(۱) وفي حلق شعر الصدر والظهر ترك الأدب كذا في القنية اهـ (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۷، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع) یہی حکم پنڈلی وغیرہ کے بالوں کا ہونا چاہئے کماقیس علیہ فی الفتاوی الأردویة: کتاب الفتاوی، آپ کے مسائل وغیرہ)

۴۶۷)''اھ[1]

فائدہ: مونچھیں اتنی بڑی رکھنا کہ کوئی چیز کھاتے پیتے وقت اس کے ساتھ لگ جائیں جائز نہیں، کم از کم لب کے کنارے سے اس حد تک کاٹنا ضروری ہے کہ لب کی سرخی ظاہر ہو جائے، حدیث میں ہے کہ جو شخص مونچھیں نہیں تراشتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[2]

۵۹۸-**ضابطہ:** داڑھی کی تحدید یہ ہے کہ: وہ ہڈی جس پر دانت ہوتے ہیں وہ داڑھی کا حصہ ہے، باقی حصہ داڑھی سے خارج ہے۔[3]

تشریح: عربی میں ''لحی'' اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت ہوتے ہیں، اور چونکہ داڑھی اس پر پیدا ہوتی ہے اس لئے داڑھی کو ''لحیۃ'' کہتے ہیں۔

پس اس ہڈی پر جو بال ہوں ان کو منڈانا یا ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹوانا جائز نہیں۔

اور خط بنوانا یعنی جو بال داڑھی کی حد سے بڑھ کر رخسار پر پیدا ہو گئے ہوں ان کو منڈانا درست ہے، تاہم بہتر نہیں[4] ـــــ لیکن نیچے جو لب کے بال ہوتے ہیں ان کو

(۱)(احسن الفتاویٰ:۸/۷۶، كتاب الحظر و الاباحة، بالوں کے احکام)

(۲)قص الشارب أن يأخذ ما طال على الشفة بحيث لا يؤذي الأكل، ولا يجتمع فيه الوسخ. (مرقاة المفاتيح:۸/۲۰۹، كتاب اللباس، باب الترجل، مکتبہ حقانیہ پشاور)

عن زيد بن أرقم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يأخذ من شاربه فليس منا. (سنن الترمذي:۵/۹۳ حديث: ۲۷۶۱، أبواب الأدب، باب ماجاء في قص الشارب)

(۳)اللحي العظام الذي عليه الأسنان، الخ (المغرب، اللحى، ص:۴۴۴)

(۴) قال الشيخ العلامة انور شاه الكشميري رحمه الله تعالى: أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغة، وإن كره الفقهاء أخذها، لأنه إن كان بالحديد فذالك يوجب الخشونة في الخدين، وإن كانت بالنتف فإنه ←

منڈانا جائز نہیں، کیونکہ وہ بچہ ریش کہلاتا ہے اور اس کا حکم مثل ریش (داڑھی) کے ہے ہاں بال بکھر کر بدنما لگتے ہوں تو کچھ کاٹ کر درست کرنا صحیح ہے ــــ اور حلق کے بال میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

۵۹۹- **ضابطہ**: ازالہ عیب کے لئے سفید بالوں کا چننا جائز ہے، تزیین کے لئے جائز نہیں۔

تفریع: پس جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے، کیونکہ قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا ایک عیب ہے۔ (۲)

۶۰۰- **ضابطہ**: خالص کالے رنگ کے سوا ہر رنگ کا خضاب جائز ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں ہے کہ بہترین خضاب حناء اور کتم ہے (حناء مہندی کو کہتے ہیں اور کتم ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جو خضاب کے کام آتی ہے) ــــ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حناء اور کتم کا خضاب لگاتے تھے ــــ کتم کو مہندی میں ملانے سے سیاہی مائل رنگ ہوجاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ جو رنگ بہت سرخ ہوکر سیاہی مائل ہوجائے اس میں کوئی حرج نہیں ــــ البتہ خالص سیاہ (کالا) خضاب جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے: جو سیاہ خضاب استعمال کرے گا اللہ تعالیٰ

← يضعف البصر. (فیض الباری: ۴/ ۳۸۰، کتاب اللباس، باب قص الشارب، خضرہ بک ڈپو دیوبند)

(۱) ولا يحلق شعر حلقه وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى لا بأس بذلك ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يتشبه بالمخنث كذا في الينابيع ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۵۸، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر)

(۲) ولا بأس بنتف الشيب (الدر المختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ولا بأس بنتف الشيب) قيده في البزازية بأن لا يكون على وجه التزين. (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۷، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ کردیں گے، دوسری روایت میں ہے ایسا شخص جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

البتہ مجاہد کو بحالت جہاد ارہاب اعداء کے لئے سیاہ خضاب درست ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جوان بیوی کے سامنے تزیین کے لئے بھی گنجائش ہے، تاہم حدیث شریف میں ممانعت مطلق ہے، اس لئے ان کے لئے بھی اس سے احتراز بہتر ہے، سرخ یا گہرا سرخ - مائل بہ سیاہی - رنگ کا خضاب استعمال کرنا چاہئے۔ (۱)

(۱)عن أبي ذر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ما غير به هذا الشيب الحناء، والكتم. (ابو داود: ۸۵/۴ حديث: ۴۲۰۵، كتاب الترجل، باب في الخضاب)

عن عقبة بن وساج، حدثني أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فكان أسن أصحابه أبو بكر، فغلفها بالحناء والكتم حتى قنأ لونها. (صحيح البخارى: ۶۵/۵، حديث: ۳۹۱۹، كتاب المناقب، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد، كحواصل الحمام، لا يريحون رائحة الجنة. (ابو داود: ۸۷/۴ حديث: ۴۲۱۲، كتاب الترجل، باب في الخضاب)

وروى الطبراني عن جنادة عن أبي الدرداء يرفعه: من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة. (عمدة القارى: ۵۱/۲۲، كتاب العدة، باب الخضاب)

عن جابر بن عبد الله... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: غيروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد. (ابوداود: ۸۵/۴ حديث: ۴۲۰۴، كتاب الترجل، باب في الخضاب)

قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو، ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة ←

حلال وحرام کمائی کا بیان

۶۰۱-**ضابطہ**: سنیما، بینک، بیمہ کمپنی وغیرہ ناجائز اداروں کی تعمیر کی اجرت میں ضابطہ یہ ہے کہ: ''اگر عمارت کا نمونہ ایسا ہو کہ اسے سنیما یا بینک وغیرہ کے سوا کسی دوسرے کام میں بسہولت استعمال نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کی تعمیر کی اجرت لینا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے''۔[۱]

فائدہ: ان ناجائز اداروں کو اپنی کوئی تیار شدہ عمارت اجرت پر دینے میں بھی تقریباً یہی بات ہے کہ اگر مثلاً بینک کی مناسبت سے وہ عمارت تعمیر کی گئی ہے تو اجرت پر دینا مکروہ تحریمی ہے، ورنہ یعنی اگر عمارت اس نوعیت کی ہو کہ یہ سمجھا جائے کہ دوسرے دفاتر کے لئے بھی ایسی عمارت بنتی ہے تو اجرت پر دینا مکروہ تنزیہی ہے۔[۲]

۶۰۲-**ضابطہ**: دودھ، سونا، چاندی، وغیرہ میں ملاوٹ کا گاہک کو علم ہو یا بقدر معروف ملاوٹ ہو تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔[۳]

۶۰۳-**ضابطہ**: سرکاری قانون کی خلاف ورزی کر کے کوئی تجارت کرنا جائز نہیں، مگر اس کے منافع حلال ہے۔[۴]

← المشايخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة روي عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (رد المحتار:۶/ ۴۲۲، کتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

(۱) (احسن الفتاویٰ ''قیاساعلی القواعد الفقهیه'': ۸/ ۹۱، کتاب الحظر والاباحة، کسب حلال وحرام)

(۲) (جواہر الفقہ: ۷/ ۵۱۳-۵۱۴ ناجائز کاموں میں تعاون)

(۳) (احسن الفتاوی ''قیاساعلی القواعد الفقهیه'': ۸/ ۹۵-۹۹، کتاب الحظر والاباحة، کسب حلال وحرام)

(۴) (الحوالة السابقة)

تشریح: یعنی جس معاملہ میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو، صرف قانون سرکار کے خلاف ہو جیسے اسمگلنگ وغیرہ تو ایسا فعل جائز نہیں، کیونکہ اس میں ملک کے نقصان کے ساتھ عزت کا بھی خطرہ ہے جبکہ انسان پر اپنی عزت کے حفاظت واجب ہے،(۱) تاہم چونکہ فی نفسہ وہ فعل خلاف شرع نہیں اس لئے اس کے منافع میں کوئی حرمت نہیں آئے گی، پس ایسے شخص کا ہدیہ یا اس کی دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں۔

۶۰۴- **ضابطہ**: حرام کام میں اعانت و مدد جائز نہیں، مگر اس میں ملازمت کی تنخواہ حرام نہ کہلائے گی (بشرطیکہ تنخواہ حلال مال یا غالب حلال سے دی جائے)(۲)

تفریعات:

(۱) پس شراب خانہ یا بینک میں دربان یا چپراسی کی نوکری کرنا جائز نہیں، مگر اس کی تنخواہ حلال ہے۔(۳)

(۲) جہاز وغیرہ میں شراب پلانے کی یا خنزیر کا گوشت پکا کر پیش کرنے کی

---

(۱) ولکن یمنع من ذالک لکونه مخالفة لأولی الأمر إذا کانت الحکومة إسلامية ،ولکونه عرضا للنفس لعقوبات قانونية إذا کانت الحکومة غير إسلامية. (تکملة فتح الملهم: ۱/ ۵۹۰ کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا حکم الأوراق النقدية)

(۲) (مستفاد: المحيط البرهاني: ۷/ ۴۸۲، کتاب الإجارات، الفصل الخامس عشر، فتاویٰ محموديه: ۱۸/ ۴۳۲، کتاب الحظر ،باب المال الحرام ومصرفه) وفی المبسوط: الأصل المتفق عليه وهو أن النهي متی کان لمعنی في غير المنهي عنه فإنه لا يعدم المشروع کالنهي عن البيع وقت النداء وإن کان المنهي عنه بعدمه کالنهي عن بيع المضامين والملاقيح. (المبسوط للسرخسی: ۱۳/ ۲۳، باب البيوع إذا کان فيها شرط)

(۳) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۱۶۵، کتاب الحظر والإباحة، وکذافی فتاوی عثمانی: ۳/ ۳۹۴-۳۹۵، کتاب الإجارة، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

ملازمت درست نہیں مگر اس کی اجرت حرام نہ کہلائے گی۔ [۱]

(۴) گانا لکھنے کے لئے اجرت سے کام کرنا جائز نہیں، مگر مختار قول کے مطابق اس کی اجرت حلال ہے۔ [۲]

(۵) مجوسی کے گھر آگ جلانے کا کام درست نہیں، مگر اس کی اجرت جائز ہے۔ [۳]

(۳) طنبورہ یا موسیقی کے آلات بنانے کی کمپنی میں کام کرنا جائز نہیں، مگر اس کام کا مشاہرہ حلال ہے۔ [۴]

(۶) ٹی وی، وی سی آر وغیرہ کی اصلاح و مرمت کا پیشہ ٹھیک نہیں، مگر اس کی اجرت حلال ہے۔ [۵]

(۷) مسلمان معمار کا مندر کی تعمیر یا مرمت کرنا کراہت سے خالی نہیں، مگر اجرت بالکل حرام نہ کہلائے گی۔ [۶]

---

(۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۴۳۲، كتاب الحظر، باب المال الحرام ومصرفه)

(۲) وإن استأجره ليكتب له غناء بالفارسية أو بالعربية قيل: لايحل الأجر، والمختار أنه يحل، لأن المعصية فى القراءة. (الفتاوى البزازية: ۵/ ۴۱ كتاب التجارات، نوع فى المتفرقات)

(۳) وفي فتاوى أبي الليث: إذا أجر نفسه من المجوسي ليوقد له ناراً فلا بأس به. (المحيط البرهانى: ۳/ ۴۸۲، كتاب الإجارات، الفصل الخامس عشر)

(۴) وفي فتاوى أهل سمرقند: إذا استأجر رجلاً ينحت له طنبوراً أو بربطا ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (الحوالة السابقة)

(۵) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۱۶۳، كتاب الحظر و الإباحة، بعنوان ریڈیو بنانا الخ)

(۶) وقال الحصكفى رحمه الله تعالىٰ : جاز تعمير كنيسة. وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله وجاز تعمير كنيسة) قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل. (ردالمحتار: ۶/ ۳۹۱، كتاب الحظر و الإباحة، فصل فى البيع)

ملحوظہ: خیال رہے کہ یہ حرام کام میں اعانت ومدد کی بات ہے کہ اس میں اعانت تو جائز نہیں مگر تنخواہ جائز ہے جبکہ تنخواہ حلال مال سے یا غالب حلال مال میں سے دی جائے؛ لیکن عین حرام کام ہو تو اس میں اجرت بھی حرام ہوگی، جیسے تصویر بنانا، مورتی بنانا، یا مغنی یا مغنیہ کا کسی جلسہ میں ناچنا، یا گانا گا کر پیش کرنا، یا موسیقی بجانا وغیرہ ان سب امور کی اجرت و تنخواہ بھی حرام ہے، کیونکہ یہ حرام کام کی اعانت نہیں ہے بلکہ یہ افعال ہی عین معصیت ہیں ——— برخلاف اوپر کی تفریعات کے کہ ان میں اجیر وملازم 'فعل معصیت' میں محض معین ومددگار کی حیثیت رکھتا ہے، معصیت اس کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں۔ (۱)

استدراک: لیکن بینک میں یا سودی اداروں میں کلرک (محرر، منشی) کی نوکری پر ملنے والی تنخواہ قطعاً حرام قرار دی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں براہ راست اعانت کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر ہے کہ عن جابر، قال: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه"، وقال: "هم سواء" (۲) کہ اس روایت میں سود کو لکھنے والے اور گواہ کو بھی لعنت کا مورد قرار دیا ہے اور ان کو سود کھانے اور کھلانے والے کے مساوی قرار دیا ہے۔

شراب کے متعلق بھی اگرچہ ایسی ہی روایت ہے کہ اس میں حامل خمر اور محمول الیہ

---

(۱) وفي العيون: لو استأجر رجلاً ينحت له أصناماً أو يزخرف له بيتاً بتماثيل والأصباغ من رب البيت فلا أجر، لأن فعله معصية، وكذلك لو استأجر نائحة أو مغنية فلا أجر لها، لأن فعلها معصية.

وفي فتاوى أهل سمرقند: إذا استأجر رجلاً ينحت له طنبوراً أو بربطا ففعل يطيب له الأجر إلا أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (المحيط البرهاني: ۳/ ۴۸۲، كتاب الإجارات، الفصل الخامس عشر)

(۲) (صحيح مسلم: ۳/ ۱۲۱۹ حديث: ۱۵۹۸)

پر لعنت آئی ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حامل کے لئے اجرت اس لئے جائز ہے، کہ حمل (اٹھانا) معصیت کے لئے متعین نہیں، شراب کو بہانے کے لئے بھی ہوسکتا ہے، سرکہ بنانے کے لئے بھی اور پینے کے لئے بھی ـــــ اور جہاز وغیرہ میں شراب اور خنزیر کا گوشت پیش کرنے کی اجرت کی حلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ چیزیں غیر مسلموں کے مذہب میں جائز ہیں، تحریم کا خطاب ان کے حق میں نہیں ہے۔ (۱)

انتباہ: مقصد اس قسم کے بیان سے یہ بتلانا ہے کہ کونسی کمائی حرام کہلاتی ہے اور کونسی حلال؟ تاکہ مختلف معاملات اور وراثت وغیرہ میں پیش آمدہ الجھنوں سے نجات حاصل ہو؛ نہ یہ کہ حاشا وکلا اعانت علی المعصیت کے لئے جواز فراہم کرنا، اسی لئے ہر تفریع میں اس فعل کے عدم جواز یا درست نہ ہونے کی وضاحت کردی گئی ہے، پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو گناہ کے کاموں میں معین ومددگار بننے سے بھی باز رکھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ تم ظلم اور گناہ کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

---

(۱) إذا استأجر الرجل حمالاً ليحمل له خمراً، فله الأجر في قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا أجر له. فوجه قولهما: أن حمل الخمر معصية؛ لأن الخمر يحمل للشرب والشرب معصية، وقد "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم حامل الخمر والمحمول إليه"، وذلك يدل على كون الحمل معصية، وأبو حنيفة رحمه الله يقول يحمل للإراقة وللتخليل كما يحمل للشرب، فلم يكن متعيناً للمعصية، فيجوز الاستئجار عليه...وفيما إذا لم ينص على الشرب، فالوجه له أن الخمر كما يكون للشرب وإنه معصية في حق المسلم يكون للتخليل، وإنه مباح للكل فإذا لم ينص على الشرب يجب أن يجعل التنقل للتخليل حملاً لهذا العقد على الصحة. (المحيط البرهانی: ۴۸۲/۳ - ۴۸۳، كتاب الإجارات، الفصل الخامس عشر)

نوٹ :١- اعانت علی المعصیت کے مختلف درجات اوران کے تفصیلی حکم کے لئے "جواہر الفقہ: ٢؍ ٤٣٣ تا ٤٥٦" ملاحظہ فرمائیں، کہ اس میں نہایت تحقیق وتنقیح کے ساتھ حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے عمدہ اور جامع مضمون بیان کیا ہے، جو اسی کتاب کا خاصہ ہے۔

٢- اور اسباب معصیت کی بیع کے متعلق بیان فقہی ضوابط حصہ دوم، کتاب البیوع میں ملاحظہ فرمائیں۔

٦٠٥- **ضابطہ**: حلال کے ساتھ حرام کے اختلاط کی صورت میں ناجائز جزو معیّن سے حرمت آتی ہے، جزو مُعِین سے نہیں۔

تشریح: جزو معیّن یعنی اس چیز کا یقینی اور قطعی جزو جیسے حلال و پاک دودھ میں حرام دودھ کو ملا دیا تو وہ مخلوطہ اس کا قطعی اور یقینی جزو ہے اس سے تمام دودھ میں حرمت آجائے گی، اور جزو مُعِین یعنی جو مددگار، ہیلپر، اور سبب کی حیثیت رکھتا ہو اس شئ کا قطعی جزو یا اس کی رکنیت میں داخل نہ ہو، پس اس کے حرام ہونے سے حرمت نہیں آتی، اس کی مثالیں تفریعات میں ملاحظہ فرمائیں:

تفریعات:

(١) پس ناجائز سوختہ سے پکا ہوا کھانا، پانی یا اینٹ وغیرہ کا استعمال حلال ہے؛ اگرچہ یہ فعل جائز نہیں۔ (١) یہی حکم چوری کی بجلی سے گرم کردہ پانی یا پریس کا ہوگا۔

(٢) غصب کردہ پانی سے حاصل شدہ پیداوار حلال ہے، گو یہ فعل غصب جائز نہیں (اس کا ضمان لازم ہوگا) (٢) ـــــ البتہ غصب کردہ زمین کی پیداوار میں طرفینؒ کے نزدیک رأس مال، اخراجات وضمان کے علاوہ فضل کا تصدق واجب ہے، امام

(١) (امداد الفتاویٰ: ٤؍ ١٤٧ کتاب الحظر، کسب جائز وناجائز، مکتبہ دار العلوم کراچی؛ احسن الفتاویٰ: ٨؍ ١٢٤-١٢٥ کتاب الحظر، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء)

(٢) (امداد الفتاویٰ: ٤؍ ١٤٠ کتاب الحظر، کسب جائز وناجائز)

ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں۔[1]

(۳) حرام آمدنی سے کسی نے بورنگ کی تو اس کا پانی حلال ہے، اس کا پینا اور اس سے وضو وغیرہ سب جائز ہے، کیونکہ بورنگ جزو مُعیّن ہے، جزو معیّن نہیں اور پانی اصلاً کسی کا مملوک نہیں ہوتا، پس اس میں نیت اور روپے کا خبث مؤثر نہ ہوگا۔[2]

(۴) ناپاک پانی سے سے سینچی ہوئی سبزی پاک ہے اس کا کھانا حلال ہے۔[3]

(۵) ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ اور گوشت حلال ہے۔[4]

(۶) فارمی مرغیوں کا گوشت جنہیں خون اور مردار کے بعض اجزاء کی آمیزش والا خوراک کھلایا جاتا ہے حلال ہے ــــ (گوشت کی حرمت کے لئے شرط ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے اس میں بدبو پیدا ہو جائے جس کا یہاں مفقود ہونا مشاہد ہے)[5]

(۷) دھوکہ یا رشوت کے ذریعہ ویزا حاصل کر کے بیرون ملک ملازمت کے لئے گیا تو یہ فعل اگرچہ جائز نہیں مگر ملازمت کی تنخواہ حلال ہے ــــ اسی طرح جعلی سرٹیفکٹ بنا کر نوکری حاصل کی تو یہ جھوٹ اور دھوکا ہے جو جائز نہیں، لیکن جو کام اس کے

(۱)(وزرعه) في الأرض المغصوبة (ضمنه) أي النقصان بالإجماع كما في النقلي؛ لأن ذلك إتلاف وإهلاك والعقار يضمن به... وقال العيني وغيره وهو الأقيس (ويأخذ) الغاصب (رأس ماله) وهو البذر وما غرم من النقصان وما أنفق على الزرع (ويتصدق بالفضل) عند الطرفين ...(وعند أبي يوسف لا يتصدق به) أي بالباقي؛ لأن الزيادة حصلت في ضمانه وملكه الخ. (مجمع الأنهر: ۲/ ۴۵۸، كتاب الغصب)

(۲)(امداد الفتاوی: ۴/ ۱۴۵ کتاب الحظر، کسب جائز و ناجائز)

(۳)(احسن الفتاوی: ۸/ ۱۱۹ کتاب الحظر، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء)

(۴)(الحوالة السابقة)

(۵) حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لأن لحمه لا يتغير، وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر. (الدر المختار: ۶/ ۳۴۱، كتاب الحظر والإباحة)

ذمہ ہے اگر وہ اسے بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو تنخواہ حلال ہے۔ [۱]

(۸) ناجائز برتن میں جائز مال کی خیرات کرنا درست ہے؛ یعنی خیرات صحیح ہے اس کا ثواب ملے گا، باقی ناجائز برتن برتنے کا گناہ ہوگا۔ [۲]

(۹) بے پردہ عورت کی کمائی حلال ہے؛ یعنی اگرچہ اس پر پردہ لازم ہے مگر بے پردگی کی وجہ سے اس کی کمائی کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ [۳]

۶۰۶- **ضابطہ**: کفار جس کو اپنے دین کے موافق سمجھتے ہوں اس سے جو اموال حاصل ہوں وہ ان کی مملوک ہوتے ہیں اور جو امر خود ان کے نزدیک بھی دین کے خلاف ہو اس سے جو مال حاصل ہوگا وہ ان کا مملوک نہیں۔

تشریح: پس چوری، غصب، سود، قمار، زنا وغیرہ کو کفار بھی برا جانتے ہیں، ان ذرائع سے ان کے پاس مال جمع ہو تو اس مال میں مسلمان کے لئے کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں، اگر وہ کافر مسلمان ہو جائے یا یہ مال اس کافر سے اس کی اولاد کو میراث میں پہنچے پھر وہ اولاد مسلمان ہو جائیں تو ان کے لئے اس میں تصرف جائز نہیں بلکہ تصدق واجب ہے (اور الاسلام یهدم کا اصول حق معاصی میں ہے، نہ کہ اموال حرام میں)

اور شراب اور خنزیر کو سب کفار برا نہیں جانتے ہیں ان کے مذہب میں اس کی گنجائش ہے، لہٰذا اس ذریعہ سے جو مال ان کو حاصل ہو اس کے وہ مالک ہیں، اس مال میں

---

(۱) (احسن الفتاوی: ۱۹۸/۸ متفرقات الحظر و الاباحة)

(۲) (امداد الفتاوی: ۱۴۲/۴ کتاب الحظر، کسب جائز و ناجائز)

ویکرہ له أن یستأجر امرأة حرة أو أمة یستخدمها ویخلو بها لقوله- صلی اللہ علیه وسلم- "لا یخلون رجل بامرأة لیس منها بسبیل فإن ثالثهما الشیطان"، ولأنه لا یأمن من الفتنة علی نفسه، أو علیها إذا خلا بها، ولکن هذا النهي لمعنی في غیر العقد فلا یمنع صحة الإجارة ووجوب الأجر إذا عمل کالنهي عن البیع وقت النداء. (المبسوط للسرخسی: ۵۲/۱۳، باب البیوع إذا کان فیها شرط)

مسلمان کا ان کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا صحیح ہے اور میراث بھی جو پہنچے وہ حلال ہے۔ (۱)

۶۰۷- **ضابطہ:** کسی کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا یا اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، ایسا مال حرام کہلائے گا۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس بینک کے پاس سے لوگوں کے ناحق ضبط کردہ مال خریدنا جائز نہیں کہ وہ ان کی ملک نہیں۔ (۳)

(۲) اسی طرح چور کے پاس سے بھی چوری کا سامان خریدنا جائز نہیں، کہ وہ غیر کا مال ہے۔ (۴)

(۲) کسی جرم پر؛ یا وقت پر رقم ادا نہ کرنے پر؛ یا مدارس وغیرہ میں تاخیر سے آنے

---

(۱) (مستفاد: امدادالفتاوی: ۱۴۳/۴ کتاب الحظر، کسب جائز و ناجائز، استنباطاعن عبارات ردالمحتار)

(۲) عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ... لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند احمد: ۲۹۹/۳۴، حدیث: ۲۰۶۹۵، مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي)

عن عبد الله بن السائب بن يزيد، عن أبيه، عن جده، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: لا يأخذن أحدكم متاع أخيه لاعبا، ولا جادا، ومن أخذ عصا أخيه فليردها. (سنن أبی داؤد: ۳۰۱/۴ حديث: ۵۰۰۳، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء على المزاح)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (ردالمحتار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح)

(۳،۴) وبطل بيع ما ليس في ملكه...وحكمه عدم ملك المشترى. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵۸/۵، مطلب فی بیع الفاسد)

پر؛ مالی جرمانہ (پینلٹی) عائد کرنا جائز نہیں۔ (۱)

(۳) چندہ میں کسی شخص کو شرم و دباؤ میں ڈال کر اس کے علی الرغم (بادل ناخواستہ) رقم لینا جائز نہیں۔ (۲)

(لیکن اگر کوئی شخص مدارس وغیرہ میں ریاء سے مال دیتا ہے تو اس سے خبث نہیں آتا، صرف اس کا ثواب باطل ہوتا ہے) (۳)

(۴) مدارس یا کالج میں دوکان (کینٹین) والے سے منتظمین کا رعایتی قیمت کے ساتھ کوئی چیز لینا - جبکہ وہ اس دباؤ میں آ کر دیتا ہو کہ رخنہ نہ ڈالیں، جیسا کہ پولیس والوں کو لوگ دیتے ہیں - جائز نہیں یعنی منتظمین کا اس طرح لینا جائز نہیں۔ (۴)

(۵) وکیل بالشراء کا اپنے موکل سے زیادہ قیمت وصول کرنا جائز نہیں ـــــــ البتہ اپنے اخراجات: کرایہ وغیرہ معروف طریقہ پر وصول کر سکتا ہے۔

(۶) وکیل کا دوکاندار سے اپنے لئے کوئی کمیشن لینا درست نہیں، کیونکہ کمیشن کے نام سے یہ درحقیقت قیمت میں رعایت ہوتی ہے جو موکل کا حق ہے۔ (۵)

---

(۱) وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق: ۵/۴۴، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

الضمان عبارة عن رد مثل الهالک إن كان مثليا، أو قيمة إن كان قيماً. (قواعد الفقه: ۳۵۹)

(۲) (اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی: ۱/۴۳۷، چندہ مانگنے کا مروجہ طریقہ)

(۳، ۴) (امداد الفتاوی: ۴/۱۴۵ - ۱۴۶ کتاب الحظر، کسب جائز و ناجائز)

(۵) (احسن الفتاوی: ۸/۱۰۲ کتاب الحظر و الاباحۃ، کسب حلال و حرام)

(۷) درزی کا بچا ہوا کپڑا خود رکھ لینا جائز نہیں ـــــ البتہ ایسی معمولی سی کترن ہو کہ کپڑے کے مالک خود اسے چھوڑ دیتے ہوں، اس کو لے جانے کا اہتمام نہ کرتے ہوں تو اس میں حرج نہیں کہ حکماً اس کی اجازت ہوتی ہے۔

۶۰۸- **ضابطہ:** مال حرام سے نفقہ میں بعینہ حرام مال ہو تو اس کا لینا جائز نہیں ہے، اس کے عوض کی چیزوں میں وسعت ہے۔

تشریح: پس اگر مثلاً شوہر اپنی بیوی کو حرام مال کھلاتا ہے تو رشوت اور غصب وغیرہ کا بعینہ حرام مال ہے تو بیوی کے لئے جائز نہیں، لیکن اگر اس مال سے کوئی چیز خرید کر لاتا ہے تو لینا جائز ہے کہ عوض کی چیزوں میں صاحب حق کے لئے وسعت ہے اور گناہ شوہر پر ہے۔[۱]

۶۰۹- **ضابطہ:** اموال میں تغیر حکم کے لئے تبدل ملک ضروری ہے، محض اباحت کافی نہیں۔[۲]

تفریع: پس حرام آمدنی والے کے ہاں مسکین کے لئے بھی کھانا جائز نہیں، جب

---

(۱) وفي الذخيرة: سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان الغرامات المحرمة، وغير ذالک: هل يحل لمن عرف ذلک أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلي في دينه أن لا يأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً.

وفي الخانية: امرأة زوجها في أرض الجور إذا أكلت من طعامه، ولم يكن عينه غصباً، أو اشترى طعاماً أو كسوةً من مالٍ أصله ليس بطيب، فهي في سعة من ذلک، والإثم على الزوج. (ردالمحتار: ۳۸۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

ومن الأصول المقررة أن تبدل الملک قائم مقام تبدل الذات أخذا "لقوله - عليه السلام - لبريرة هي لک صدقة ولنا هدية" كما مر. (مجمع الأنهر: ۴۲۰/۲ كتاب المكاتب، باب العجز والموت)

تک کہ تملیک نہ ہو —— پھر تملیک کے بعد غنی کے لئے بھی مسکین سے کھانا جائز نہیں جب تک کہ وہ مسکین اس کو مالک نہ بنائے۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مثلاً باپ حرام کماتا ہو تو گو اس کی بالغ اولاد مسکین ہوں ان کے لئے کھانا جائز نہیں، البتہ باپ ان کو مالک بنادے تو جائز ہے، ایسی صورت میں بدرجہ مجبوری چاہئے کہ باپ بالغ اولاد میں سے کسی کو نقد کا مالک بنادے، پھر وہ گھر کے تمام مصارف پر خرچ کرتا رہے، اس طرح پورا گھرانا حرام خوری سے بچ جائے گا۔ (۱)

۶۱۰- **ضابطہ:** حرام مال کے منافع میں زیادتی جنس مضمون سے ہو تو حرام ہے، غیر جنس سے ہو تو حلال ہے۔

تشریح: نفع جنس مضمون سے ہونا یعنی اس چیز کے قبیل سے ہونا جس کا تاوان غاصب و آخذ پر واجب ہے، جیسے کسی نے رقم غصب کی، تو اس کے ذمہ اس رقم کا تاوان لازم ہے، اب اگر وہ اس رقم کے بدلے سامان خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرے، تو نفع بھی حرام، اور واجب الرد ہے، کیونکہ یہ نفع جنس مضمون (رقم کے قبیل) سے ہے۔

لیکن اگر اس نے اس سامان کو غلہ، کپڑا وغیرہ کے عوض بیچا، یا مغصوبہ رقم سے بکری کو

(۱) (قوله: تمليكا) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك ولو أطعمه عنده ناويا الزكاة لا تكفي. (رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب مصرف الزكاة)

وللغني أن يشتري الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له علم أن تبدل الملك كتبدل العين فلو أباحها له، ولم يملكها منه ذكر أبو المعين النسفي أنه لا يحل تناوله للغني وقال خواهر زاده يحل كذا في الفوائد التاجية والذي يظهر ترجيح الأول؛ لأن الإباحة لو كانت كافية لما قال - عليه الصلاة والسلام - في واقعة بريرة "هو لها صدقة ولنا هدية" كما لا يخفى. (البحر الرائق: ۲/۲۶۴ باب مصرف الزكاة)

خریدا اور اس نے بچہ دیا تو یہ جو کچھ نفع ہوا وہ حلال ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ نفع غیر جنس مضمون سے ہے۔

یہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مال حرام کا نفع خواہ جنس مضمون سے ہو یا غیر جنس سے بہر صورت حلال ہے۔[1]

استدراک: (۱) لیکن ترکۂ میت میں بعض ورثاء نے دوسروں کی اجازت کے بغیر تجارت کی تو فقہاء نے مطلقاً ان کے لئے نفع کو جائز لکھا ہے، اور وضاحت کی ہے کہ اس نفع میں سب ورثاء شریک نہ ہوں گے، بلکہ جنہوں نے تجارت کی ہے وہی اس کے حقدار ہوں گے کہ یہ ان کی محنت ہے نہ کہ سب کی، اور میت کا ترکہ اب بھی اسی حساب سے تقسیم ہوگا جو اس نے چھوڑا ہے[2] ـــــ غالباً اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ

---

(۱) (قوله إذا كان متعينا بالإشارة) وذلك كالعروض فلا يحل له الربح أي ولو بعد ضمان القيمة قال الزيلعي: فإن كان مما يتعين لا يحل له التناول منه قبل ضمان القيمة وبعده يحل إلا فيما زاد على قدر القيمة، وهو الربح فإنه لا يطيب له ويتصدق به وفي القهستاني، وله أن يؤديه إلى المالك، ويحل له التناول لزوال الخبث (رد المحتار)

وعند أبي يوسف لا يتصدق بشيء منه كما لو اختلف الجنس ذكره الزيلعي فليحفظ (الدر المختار) (قوله كما لو اختلف الجنس) قال الزيلعي: وهذا الاختلاف بينهم فيما إذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بأن ضمن دراهم مثلا وصار في يده من بدل المضمون دراهم: ولو طعام أو عروض لا يجب عليه التصدق بالإجماع، لأن الربح إنما يتبين عند اتحاد الجنس، وما لم يصر بالتقلب من جنس ما ضمن لا يظهر الربح اهـ) (رد المحتار: ۱۹۰/۶، كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب)

(۲) إذا أخذ أحد الورثة مبلغاً من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن ←

کے قول پر حکم بیان گیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲)اسی طرح بینک وغیرہ سے سودی قرض لیا تو اگر چہ یہ سود کا معاملہ جائز نہیں، اس کا گناہ ہوگا، مگر اس رقم سے تجارت کی تو اس کا نفع حلال ہے ـــــ وجہ یہ ہے کہ یہ قرض ہے، غصب نہیں ہے؛ غصب تو اس شخص کے حق میں ہے جو قرض دے کر اس پر سود لے رہا ہے کہ اصل رقم سے زیادتی اس کے حق میں بحکم غصب ہے۔ (۱)

فائدہ: اور مغصوب کے زوائد مثلاً غصب کردہ باغ نے پھل دئے، یا جانور نے بچہ دیا تو وہ غاصب کے پاس امانت ہیں، اگر ہلاک ہوجائیں تو اس پر کوئی ضمان نہیں،

← الآخرين وعمل فيه وخسر، كانت الخسارة عليه، كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، رقم المادة: ۱۰۹۰، كتاب الشركة ؛وكذافى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۳۹، كتاب الشركة) لوتصرف أحد الورثة فى التركة المشتركة وربح ،فالربح للمتصرف وحده، كذافى الفتاوى الغياثية.(الفتاوى الهندية: ۲/ ۳۴۶، كتاب الشركة، الباب السادس فى المتفرقات، ط: دار الفكر، لبنان)

(۱)وقال الحنفية: يبطل الشرط، لكونه منافيا للعقد، ويبقى القرض صحيحا، وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافيا للعقد ،فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطا بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً،ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقدعن الانقلاب، وإلالم يكن لإبطاله معنى، مرادهم بكون القرض صحيحا والشرط باطلاً ،أن المستقرض إذا قبض الدراهم التى استقرضهابالشرط يصير دينا عليه، لاتكون أمانة غير مضمونة، وأماأن الاقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقدصرح فى الدرعن الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو، وفيه أيضاً:واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض بيع فاسد سواء. اه. (إعلاء السنن: ۱۴/ ۵۳۴)

مگر یہ کہ اس کی تعدی (زیادتی) سے ہلاک ہوں، یا مالک نے مطالبہ کیا پھر بھی اس کو نہیں دیا اور ہلاک ہو گئے تو ضمان لازم ہوگا۔ (۱)

۶۱۱- **ضابطہ**: مال حرام میں خلط و تغییر کی وجہ سے ملک متحقق ہو جاتی ہے اور اصل مال کا ضمان لازم ہوتا ہے۔

تشریح: خلط سے مراد مال حرام کو مال حلال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ تمیز نہ ہو سکے ـــــ اور تغییر سے مراد اس میں اس طرح تبدیلی کر دی کہ اس کا نام اور اس کے بنیادی منافع زائل ہو گئے جیسے گیہوں کو پیس کر آٹا بنا دیا، لکڑے کا فرنیچر یا ٹیبل بنا دیا؛ تو اس سے ملک ثابت ہو جاتی ہے، اور مالک کے لئے غاصب کے ذمہ حرام مال کے بقدر ضمان لازم آتا ہے۔ (۲)

لیکن اگر وہ چیز خود بخود بدل جائے، غاصب و آخذ کے فعل کا اس میں دخل نہ ہو، جیسے انگور سوکھ کر کشمش ہو گئے، یا کھجور چھوہارا بن گئی تو اس سے غاصب کی ملک ثابت نہ

---

(۱) قال: "وولد المغصوبة ونماؤها، وثمرة البستان المغصوب أمانة في يد الغاصب إن هلك فلا ضمان عليه، إلا أن يتعدى فيها أو يطلبها مالكها فيمنعها إياه. (هداية: ۳۰۳/۴ كتاب الغصب)

(۲) من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالا وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامنا...لماخلطها (أى اموالا غير طيبة) ملكها وصار مثلها دينا فى ذمته لاعيناً. (ردالمحتار: ۲۹۱/۲ باب زكاة الغنم)

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه)؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييز عند أبي حنيفة، وقوله أرفق إذ قلما يخلو مال عن غصب. (الدر المختار: ۲۹۰/۲، باب زكاة الغنم)

وإن غير ما غصبه فزال اسمه وأعظم منافعه ضمنه وملكه. (ملتقى الأبحر: ۸۴/۱، كتاب الغصب)

ہوگی، بلکہ مالک کو اختیار ہوگا، چاہے تو غاصب سے وہی لے لے یا چھوڑ دے اور اصل مال کا ضمان وصول کرے۔ [۱]

تفریعات:

(۱) پس حلال و حرام مخلوط یا تغییر کردہ مال میں زکاۃ لازم ہوگی۔

(۲) ایسے مال کا مدارس وغیرہ میں صدقہ یا وقف کیا تو وہ صحیح ہوگا۔

(۳) ایسے مال سے تجارت کی تو اس کا نفع حلال ہے۔

(۴) امام وغیرہ کی تنخواہوں میں ایسا مال کوئی دیتا ہو تو تنخواہ لینا درست ہے۔

(۵) ایسے شخص کے ہاں ضیافت و مہمانی یا اس کا ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے۔

(۶) بینک کے اکاؤنٹ میں اصل رقم پر ملنے والا سود اپنی طرف سے صدقہ کر دیا تو صحیح ہے۔

(۷) کسی گھر میں باپ بیٹے مشترک خرچ کرتے ہوں مگر ان میں کوئی رشوت و سود بھی لے آتا ہو تو اگر رقمیں مختلط اٹھتی ہوں تو گنجائش ہوگی، اور جو حرام لاتا ہے وہ ضامن ہوگا؛ لیکن اگر علی سبیل التعاقب رقم صرف ہوتی ہو تو حرام کے صرف کے وقت کھانا حرام ہوگا۔ [۲]

انتباہ: لیکن اس صورت میں یعنی اختلاط اور تغیر کی صورت میں جب تک مالک کو ضمان ادا نہ کیا جائے اس مال سے انتفاع استحساناً حرام ہے، البتہ قیاساً حلال ہے، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کسب سے ملک ثابت ہوئی ہے اور ملک تصرف کو مباح کرتی

---

(۱) (وإن غير ما غصبه) بالتصرف فيه احتراز عما إذا تغير بغير فعله بأن صار العنب مثلا زبيبا بنفسه أو الرطب تمرا فالمالك يخير إن شاء يأخذه وإن شاء يتركه ويضمنه. (مجمع الأنهر: ۲/۴۵۹، كتاب الغصب)

(۲) (امداد الفتاوی: ۴/۱۴۸)

ہے، اسی بنا پر اگر وہ مال کسی کو ہبہ کرتا ہے یا اس کو فروخت کرتا ہے تو بالاتفاق صحیح ہے۔
اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ضمان کی ادائیگی سے پہلے اس سے انتفاع کو مباح کرنے میں غصب کا ایک باب کھل جائے گا، پس سد باب کے لئے انتفاع حرام ہوگا ،لیکن دوسری طرف اس کی بیع اور ہبہ اس لئے جائز ہے کہ اس کی ملک اس میں ثابت ہے اگرچہ ممنوعہ طریقہ پر ہے، پس یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بیع فاسد سے حاصل شدہ مال، کہ اس کا ہبہ و بیع صحیح ہے، مگر اس کے عین سے انتفاع اصلاح عقد سے قبل صحیح نہیں۔ (۱)

ملحوظہ: مال حرام میں عام طور پر چونکہ لوگ ضمان ادا نہیں کرتے ہیں اس لئے فقہاء نے مخلوط مال سے ضیافت ، ہدیہ وغیرہ میں ، غالب کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر اس میں حلال غالب ہے تو حلال ہے اور اگر حرام غالب ہے یا مساوی ہے تو حرام ہے، پس مذکورہ صورتوں میں اس کا بھی لحاظ ضرور ہونا چاہئے۔ (۲)

فائدہ: اگر کوئی شخص مال حرام غیر مخلوط یعنی خالص حرام سے تجارت کرتا ہے یا اس سے زمین، مکان وغیرہ کوئی مال حلال خرید تا ہے، تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

---

(۱) (ولا يحل انتفاعه) أي انتفاع الغاصب (به) أي بالمغصوب المغير (قبل أداء الضمان) استحسانا والقياس الحل وهو رواية عن الإمام وقول الحسن قول زفر؛ لأن ملكه ثبت بكسبه والملك مبيح للتصرف ولهذا لو وهبه أو باعه صح وجه الاستحسان أن في إباحة الانتفاع به قبل الأداء فتحا لباب الغصب فيحرم الانتفاع لكن جاز للغاصب بيعه وهبته، لأنه مملوك له بجهة محظورة كالمقبوض بالبيع الفاسد (مجمع الأنهر: ۲/۴۵۹، كتاب الغصب)

وفي البزازية غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لا يخلو عن حرام فيعتبر الغالب وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا يأكل إلا إذا قال إنه حلال أورثته واستقرضته. (مجمع الأنهر: ۲/۵۲۹ كتاب الكراهية، فصل في الكسب)

(۱) وہ مال حرام اولاً بائع کو دیا پھر اس سے کوئی حلال مال خریدا۔

(۲) بعد میں دیا مگر بوقت عقد مال حرام کو متعین کیا اور ثمن میں اسی کو دیا۔

(۳) بغیر تعیین کے مطلق ثمن پر عقد کیا، پھر ثمن میں مال حرام دیا۔

(۴) ثمن میں مال حرام کو متعین کیا، مگر ادا کیا مال حلال۔

(۵) ثمن میں مال حلال کو متعین کیا، مگر ادا کیا مال حرام۔

پہلی دو صورتوں میں جن میں بوقت عقد مال حرام کی تعیین ہو جاتی ہے، تجارت وسودا جائز نہیں، اس کی آمدنی غرباء ومساکین پر صرف کرنا ضروری ہے۔ باقی کی تین صورتوں میں امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی آمدنی حلال ہے، صرف اصلی مال حرام کا ضمان لازم ہوگا؛ ذخیرہ، قہستانی، غرر، مختصر وقایہ، اصلاح وغیرہ میں دفع حرج کے لئے اس پر فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے، جبکہ ہدایہ مبسوط وغیرہ میں اس کے خلاف کو مختار کہا گیا ہے۔ (۱)

---

(۱) رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا ثم اشترى منه بها أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقا و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم. ..قال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبو بكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس اهـ. وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها وهو المختار، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعا للحرج لكثرة الحرام اهـ وعلى هذا مشى المصنف في كتاب الغصب تبعا للدرر وغيرها. (ردالمحتار: ۵/ ۲۳۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات)

...وهكذا قال الكرخي؛ لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين لا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث. وقال بعض مشايخنا رحمهم الله: لا يطيب له ←

۶۱۲-**ضابطہ**: مال حرام میں تداول ایدی اور تبدل ملک سے بھی حرمت ختم نہیں ہوتی۔ (۱)

تشریح: اشباہ میں ہے کہ حرمت علم کے ساتھ منتقل ہوتی رہتی ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو بعض احناف سے منقول ہے کہ حرمت دو شخصوں کی طرف متعدی نہیں ہوتی ہے، یعنی ایک نے دوسرے کو مال حرام فروخت کیا یا ہبہ کیا تو اس کے لئے وہ حرام نہ ہوگا تو اس سلسلہ میں میں نے شہاب بن شلبی رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب سامنے والے کو اس کا علم نہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص مثلاً ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے یا رشوت لینے والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، پھر اس سے اسی مال کے عوض سودا کرے یا اس کو ہدیہ میں پائے، پھر وہ شخص وہ مال دوسرے کو دیوے اور دوسرا تیسرے کو اسی طرح چلتا رہے اور سب کو معلوم ہوں کہ یہ وہی مال حرام ہے تو آخر تک یہ حرام ہی رہے گا۔ (۲)

یہی حکم میراث وغیرہ میں پانے والے مال کا ہوگا کہ خواہ کتنے ہی اوپر باپ داداؤں سے مال حرام چلا آرہا ہو جب قطعی طور پر معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہی ہے، تو اس

← قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار لإطلاق الجواب في الجامعين والمبسوط. (الهداية: ۲۹۹/۴، كتاب الغصب)

---

(۱) (قوله الحرام ينتقل) أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (ردالمحتار: ۹۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)

(۲) الحرام ينتقل... وفي حظر الأشباه: الحرمة تتعدد مع العلم بها (الدر المختار) ومانقل عن بعض الحنيفة من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام اهـ. (الحوالة السابقة)

کا لینا جائز نہ ہوگا، بلکہ اصل مالک کو لوٹانا اور وہ نہ ہو تو صدقہ کرنا واجب ہوگا۔[1]

اسی طرح دوکان دار کا مال حرام کو ثمن میں لینا جائز نہیں، مشتری سے ثمن حلال کا مطالبہ کرے، لیکن اگر معلوم نہ ہو کہ اس کے پاس یہ ثمن حلال ہے یا حرام تو پھر جائز ہے، اسی طرح خریدار کی آمدنی مخلوط ہے جس میں اکثر حلال ہے تو اس وقت بھی گنجائش ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا۔

۶۱۳- **ضابطہ**: ضرورت ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے —— اور کبھی حاجت کو ضرورت کا درجہ دیا جاتا ہے، خواہ حاجت عام ہو یا خاص۔[2]

تشریح: ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ: اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب المرگ ہو جائے گا، یہی صورت اضطراری ہے، اسی حالت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال (بچند شرائط) جائز ہوتا ہے۔

اور حاجت کے معنی یہ ہے کہ: اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک نہیں ہوگا، مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی، یہ صورت اضطرار کی نہیں، اس لئے اس کے واسطے روزے، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت وسہولتیں تو دی گئی ہیں مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں جو نص قرآنی سے ثابت ہیں حلال نہیں ہوں گی۔[3]

---

(۱) وإذا مات الرجل و كسبه خبيث فالأولى لورثته أن يردوا المال إلى أربابه فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، الناشر: دار الفكر)

(۲) "الضرورات تبيح المحظورات" (قواعد الفقہ، ص: ۸۹، قاعدہ: ۱۷۰؛ و كذا في الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، القاعدة الخامسة)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة" (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، رقم المادة: ۳۳)

(۳) (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۳۰/۹، بحوالہ جواهر الفقہ)

اس وضاحت کے بعد ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ ضرورت ہر ممنوع چیز کو مباح کر دیتی ہے، اور حاجت خواہ شخصی ہو یا اجتماعی اس کو کبھی ضرورت کے قائم مقام گردانا جاتا ہے، مگر اس کے لئے شرط ہوگی کہ وہ ممنوع چیز نص قرآنی کے تحت حرام نہ ہو ـــــ تاہم فقہی جزئیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں ممنوع لعینہ ہیں یعنی جن کی ممانعت ان کی ذات کی وجہ سے ہے جیسے اکل میتۃ، شرب خمر وغیرہ ان کی اجازت تو ضرورت اور اضطرار ہی کی صورت میں ہوگی، لیکن جو چیزیں ممنوع لغیرہ ہیں یعنی جن کی ممانعت کسی خارجی امر کی بنا پر ہے، حاجت کی بنا پر بھی وہ جائز ہو جاتی ہیں، جیسے سودی قرض لینا، رشوت دینا وغیرہ۔

تفریعات:

(۱) پس ظلم سے بچنے کے لئے اور اپنا جائز حق وصول کرنے کے لئے جبکہ کوئی چارہ نہ ہو تو رشوت دینا جائز ہے، اس صورت میں گناہ لینے والے پر ہوگا اور رشوت اسی کے حق میں شمار ہوگی۔ [۱]

(۲) نہایت محتاج شخص کے لئے جبکہ نوبت ہلاکت نفس یا عزت و آبرو تک پہنچ جائے بقدر حاجت سودی قرض لینا جائز ہے، مگر دینا جائز نہیں کہ اس میں کوئی عذر نہیں، بلکہ اس کو چاہئے کہ اپنے محتاج بھائی کو یوں ہی بلا سود قرض دے اور ثواب کا مستحق ہو ـــــ لیکن خیال رہے کہ یہ اجازت اسی وقت ہے کہ واقعی مجبوری ہو توسع اور خوش عیشی مقصود نہ ہو۔ [۲]

---

(۱) وفيه أيضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (رد المحتار: ۶/ ۴۲۴، کتاب الحظر و الإباحة، فصل فی البیع؛ و کذا فی فتح الباری لابن حجر: ۵/ ۲۲۱)

(۲) وفی القنیة من الکراهیة: "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (البحر الرائق: ۶/ ۱۲۱ کتاب البیوع باب الربا)

←

(۳) قانونی گرفت سے بچنے کے لئے سودی اکاؤنٹ کھلوانا، یا بیمہ کروانا جائز ہے مگر یہ حاجت کی حد تک ہے اس سے آگے جائز نہیں، اور جو بھی رقم سود کی حاصل ہو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہوگا۔

(۴) گھر یا دوکان کے اجارہ میں ڈپوزٹ کے متعلق عام فتویٰ یہی ہے کہ یہ جائز نہیں، کیونکہ عامتاً مالکان مکان اس ڈپوزٹ کو استعمال کر دیتے ہیں، حالانکہ رہن سے نفع اٹھانا سود کے حکم میں ہے؛ لیکن مجبوری میں جبکہ کوئی مکان بغیر ڈپوزٹ کے نہ ملتا ہو تو بر بنائے حاجت ڈپوزٹ دینا جائز ہوگا، تاہم اس کا لینا جائز نہ ہوگا، کہ اس میں کوئی مجبوری نہیں۔

(۵) خون کی خرید و فروخت بوجہ اس کے نجاست اور انسانی جزو کے جائز نہیں، مگر بدرجہ مجبوری جبکہ مریض کی ہلاکت یا شدید مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور بلا قیمت خون میسر نہ ہو تو خریدنا جائز ہوگا، مگر بیچنا کسی حال میں جائز نہیں کہ اس میں کوئی حاجت نہیں۔

ملحوظہ: جو چیزیں ضرورتاً جائز ہوتی ہیں، ان میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ احساس کراہت کے ساتھ اس فعل کو پورا کیا جائے۔ (۱)

۶۱۴- **ضابطہ:** ملک خبیث کی راہ بس یہی ہے کہ مالک یا اس کے ورثاء تک پہنچا دے، اور جس مال کا کوئی مالک معلوم نہ ہو اس کو بغیر ثواب کی نیت کے

← وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحقة اقتضت معطي الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم في هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده، وهذا بشرط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغني عنها" (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ٢١٩)

(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۵/۳۵۸)

صدقہ کردے۔[1]

تشریح: یعنی اولا مالک تک اس مال کو پہنچانا ہے، وہ مرگیا ہوتو اس کے ورثاء کو، اور جس مال کا کوئی مالک معلوم نہ جیسا کہ بینک وغیرہ کے سود میں ہوتا ہے تو اس کو بغیر ثواب کے نیت کے مساکین پر صدقہ کردینا ضروری ہے۔

ثواب کی نیت اس میں صحیح نہیں، حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی کو قبول کرتے ہیں، اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے جو شخص اس میں ثواب کی نیت کرے گا تو اس کے لئے کفر کا اندیشہ ہے، پس اس نیت سے صدقہ کرنا چاہئے گویا اپنے اوپر سے ایک وبال دور کررہا ہے، اس کو دے کر مسکین پر احسان جتلانا یا اس سے کوئی خدمت لینا قطعا جائز نہیں، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شریعت کے مقتضا پر عمل کا ثواب عطا فرمائیں گے۔[2]

بعض علماء نے بینک وغیرہ کے سود کو رفاہ عام، اور انکم ٹیکس میں خرچ کرنے کی بھی گنجائش دی ہے۔

مگر اولین ترجیح مساکین کو صدقہ کی ہونی چاہئے، کہ یہی اصل اور بلا خلاف مصرف

(۱) ویردونها على أربابها إن عرفوهم ، وإلا تصدقوا بها؛لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه .(ردالمحتار ، كتاب الحظر والإباحة، باب الاسبراء، فصيل في البيع: ۳۷۵/۶)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا.(صحيح مسلم: ۷۰۳/۲حديث: ۱۰۱۵)

ولو تصدق على فقير شيئا من المال الحرام يرجو الثواب يكفر.(مجمع الأنهر: ۶۹۷/۱ باب المرتد، ألفاظ الكفر أنواع)

لا يقصد به أي بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب ،بل تفريغ الذمة.(مجموعة الفتاویٰ: ۲۲۷/۲)

ہے، جبکہ دیگر مصارف میں اختلاف ہے، اور امت کا اتفاق ہے کہ اختلاف سے بالکلیہ خروج مستحب ہے، کیونکہ اختلاف شبہ پیدا کرتا ہے، اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان شبہات ہیں، پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین کی حفاظت کر لی۔ (۱)

۶۱۵- **ضابطہ:** مالک کو اس کا مال خواہ کسی بھی جہت سے واپس کر دیا جائے لینے والا بری ہو جاتا ہے۔ (۲)

تشریح: کسی نے کسی کا مال ناجائز طریقہ پر لیا، مثلاً اس کے جیب میں سے رقم نکالی، تو اس کو کسی بھی صورت میں پہنچا دے، خواہ اس طرح سے کہ یہ رقم میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے یا تحفہ ہے یا عیدی ہے تو بری ہو جائے گا، بلکہ جامع الفصولی میں ہے کہ مالک کے سامنے اس مغصوب کو رکھ دیا اور اپنا قبضہ اٹھا دیا تو اس سے بھی بری ہو جائے گا، اگرچہ قبضہ کی حقیقت نہ پائی جائے، پس اس تک خواہ کسی طرح پہنچا دے اور خود دستبردار ہو جائے تو بری ہو جائے گا، یہ بتلانا ضروری نہیں کہ میں نے آپ کی جیب سے رقم نکالی تھی، لیکن اگر بتلا دے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لے تو اعلیٰ بات ہے۔ (۳)

---

(۱) وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً، لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: الحلال بين والحرام بين وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه. (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا)

(۲) الأصل أن المستحق بجهة إذا وصل إلى المستحق بجهة أخرى إنما يعتبر. (البحر الرائق: ۱۰۲/۶، فصل في أحكام البيع)

(۳) وشمل الرد حكما لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه برئ، وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار: ۱۸۲/۶ كتاب الغصب، مطلب فيما لو هدم حائط)

فائدہ: اسی طرح آدمی کو اپنا حق وصول کرنا بھی کسی طرح جائز ہے، مثلاً مقروض جب اس کا قرض ادا نہ کرتا ہو تو جبراً یا خفیہ طور- جبکہ اس میں اتہام نہ ہو اور مقروض پر ظلم زیادتی نہ ہو- کسی طرح اپنا قرض وصول کر سکتا ہے، اس مسئلہ کو "مسئلہ ظفر" کہا جاتا ہے۔ اور احناف کے یہاں مشہور یہ ہے کہ اس میں جنس کی رعایت ضروری ہے، یعنی مثلاً رقم قرض میں دی ہے تو رقم ہی وصول کرے گا، کوئی سامان اس کے عوض نہیں لے سکتا، مگر متاخرین احناف نے بدلے ہوئے حالات کی بنا پر یہاں امام شافعیؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے، پس اب غیر جنس سے بھی اپنا حق: قرض، دین یا نفقہ وغیرہ وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ اب حقوق العباد میں غفلت عام ہو گئی ہے، باوجود گنجائش کے بہت سے جلدی حق ادا کرنا نہیں چاہتے۔ (۱)

۶۱۶- **ضابطہ**: اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا۔ (۲)

تشریح: کسی نے اضطراری حالت میں یعنی جب کہ نوبت ہلاکت نفس یا عزت و آبرو تک پہنچ جائے کسی کا مال بغیر اس کی رضامندی کے استعمال کیا تو شرعاً اس کی اجازت ہے، جیسا کہ اس حال میں اکل میتہ کی اجازت ہے، تاہم اس کے باوجود صاحب مال کا حق باطل نہ ہوگا، مضطر پر اس کا ضمان ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ بندے کا

(۱)... استدل الشافعي رحمه الله تعالى بحديث الباب على مذهبه أن الدائن إن ظفر بشيء من مال المديون الباطل، جاز له استيفاء دينه من ذالك المال، سواء كان المال من جنس حقه أو غيره، وتسمى هذه المسئلة مسئلة الظفر، والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ماظفر به من جنس حقه، ولايجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسئلة بمذهب الشافعي. (تكملة فتح الملهم: ۵۷۸/۲، كتاب الأقضية، باب قضية هند)

(۲) "الاضطرار لايبطل حق الغير". (قواعد الفقه: ۶۰، رقم القاعدة: ۳۶)

حق اس کے مثل سے ساقط نہیں ہوتا۔

۶۱۷- **ضابطہ:** جس مباح فعل میں بدنامی یا شورش ہو، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (کہ حضرت عمر رضی اللہ کا قول اتقوا مواضع التهم اور حدیث حطیم اس کی دلیل ہے)[۱]

تفریع: پس ایسا ذریعہ آمدن اختیار کرنا جو اگرچہ جائز ہو، مگر اس میں بدنامی اور عزت نفس کا خطرہ ہو صحیح نہیں۔

اور اس سے قریب ایک اور ضابطہ ہے کہ:

۶۱۸- **ضابطہ:** ہر وہ مباح کام جو کسی ناجائز و ممنوع کام کے ارتکاب کا سبب بن رہا ہو اس کو سداً للذرائع ترک کرنا لازم ہے۔[۲]

تشریح: پس سد ذرائع - یعنی اس لئے رکنا تاکہ یہ فعل آگے حرام تک نہ پہنچائے - کا تعلق مشتبہ اور احتیاط ہی کے ساتھ نہیں، بلکہ ہر اس چیز کے ساتھ ہے جو حرام تک پہنچائے خواہ وہ مباح کے قبیل سے ہو۔[۳]

۶۱۹- **ضابطہ:** دنیا کمانے میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ حقوق اللہ وحقوق العباد میں خلل واقع ہونے لگے اور جسمانی و دماغی صحت پر برا اثر پڑنے لگے جائز نہیں۔[۴]

---

(۱) (امداد الفتاویٰ: ۴/۱۰۶، کتاب الحظر و الاباحة، کھانے پینے کی چیزوں کا بیان)

(۲) سد الذرائع أصل من أصول الشريعة الإسلامية ،وحقيقته منع المباحات التي يتوصل بها إلى مفاسد أو محظورات. (الفقه الإسلامي وأدلته ،۸/ ۹۵ - ۹۶ بشأن سد الذرائع)

(۳) سد الذرائع لايقتصر على مواضع الاشتباه والاحتياط ،وإنما يشمل كل ما من شانه التوصل به إلى الحرام. (الحوالة السابقة)

(۴) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (سورة المنافقون: ۹، پ: ۲۸)

۶۲۰-ضابطہ: کسی حرام سے بچنے کے لئے یا حلال تک پہنچنے کے لئے حیلہ کرنا تو صحیح ہے، مگر حرام کو حلال کرنے یا کسی کا حق باطل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز نہیں۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس جلدی میں ٹرین پر سوار ہو گیا اور ٹکٹ نہیں لے سکا تو اس سے سبکدوشی کا طریقہ یہ ہے کہ اتنے سفر کا ٹکٹ لے کر پھاڑ دے، اس سے ریلوے کا مطالبہ ذمہ میں باقی نہیں رہے گا، اور یہ حرام سے بچنے کا ایک حیلہ ہے اس لئے جائز، بلکہ مستحسن بلکہ کوئی اور طریق نہ ہو تو واجب ہے۔

(۲) بائع کے پاس مشتری سے مال حرام آ گیا جس کا پہنچانا اب مشکل ہے یا وہ واپسی پر راضی نہیں، تو ایسی صورت میں وہ اس مال کو ادھار یا قرض میں کسی غیر مسلم کو دے کر حیلہ کرے تو صحیح ہے کہ یہ مجبوری میں حرام سے بچنے کا حیلہ ہے (۲) ـــــ مگر

---

(۱) مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة و كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة (الفتاوى الهندية: ۳۹۰/۶، كتاب الحيل، الفصل الثاني في مسائل الوضوء و الصلاة؛ و كذا في المبسوط للسرخسي: ۲۱۰/۳۰، كتاب الحيل)

(۲) و في شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة - رحمه الله تعالى - أن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان و كان يستقرض لجميع حوائجه، و ما يأخذ من الجائزة يقضي بها ديونه و الحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أي مال شاء و قال أبو يوسف - رحمه الله تعالى - سألت أبا حنيفة - رحمه الله تعالى - عن الحيلة في مثل هذا فأجابني بما ذكرنا، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية: ۳۴۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر)

جان بوجھ کر کوئی شخص حرام میں مبتلا ہو اور پھر یہ حیلہ کرتا رہے تو صحیح نہیں، کیونکہ اس طرح کرنے سے تو درحقیقت شرعی حرام کو حلال کرنا لازم آتا ہے، کہ اس سے امر حرمت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۳) وکیل بالشراء کا دوکاندار سے کمیشن لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ کمیشن کے نام سے قیمت میں رعایت ہے جو کمپنی کا حق ہے، پس اس میں غیر کے حق کا بطلان ہے۔ (۱)

(۴) وکیل بالشراء کا یہ حیلہ کرنا کہ پہلے وہ چیز اپنے لئے خریدے پھر موکل کو زیادہ قیمت میں بیچے جائز نہیں، کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے، پس اس میں امانت میں خیانت کے ساتھ غیر کے حق کو باطل کرنا ہے اس لئے جائز نہیں۔ (۲)

۶۲۱- **ضابطہ**: ناجائز مال سے قرض وصول کرنا: نامعلوم ہونے کی صورت میں مطلقاً درست ہے؛ اور معلوم ہونے کی صورت میں غیر مسلم سے تو درست ہے، مسلم سے مکروہ ہے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو قرض دیا، اب وہ مقروض حرام مال سے اپنا قرض ادا کر رہا ہے تو اگر قرض خواہ کو علم نہیں کہ یہ حرام مال دے رہا ہے تو لینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر اس کو علم ہے تو غیر مسلم مقروض سے تو لینا درست ہے، مسلمان سے لینا مکروہ ہے۔ (۳)

---

(۱) (احسن الفتاوی: ۸/۱۰۲ کتاب الحظر و الاباحۃ، کسب حلال و حرام)

(۲) (الحوالۃ السابقۃ)

ولو كان لمسلم على ذمي دين فباع الذمي خمرا و قضى دينه للمسلم من ثمنها جاز للمسلم أخذه لأن بيعه لها مباح ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمرا و قضاه من ثمنها لم يجز له أخذه لأن بيع المسلم للخمر لا يجوز فيكون الثمن حراما . (الجوهرة النيرة: ۲/۲۸۷، كتاب الحظر و الإباحة، بيع العصير الخ)

←

۶۲۲- **ضابطہ**: مسلمانوں کا مال کسی حال میں غنیمت نہیں بنایا جاسکتا۔ [۱]

تشریح: پس آپسی جنگ میں یا کسی اور صورت میں مسلمانوں کا مال میسر ہو تو اس کو ان کے مالکان کو واپس کرنا ضروری ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں جو مال ہاتھ لگا تھا وہ واپس کر دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ مسلمانوں کا مال 'غنیمت' نہیں بنایا جاسکتا۔ [۲]

فائدہ: اسی طرح غیر مسلم کا مال جو دنگا، فساد میں لٹا جاتا ہے وہ بھی اصولا مال غنیمت نہیں کہلائے گا، کیونکہ مال غنیمت کے لئے باقاعدہ جہاد کا ہونا ضروری ہے جس کے لئے لازم ہے کہ ایک امیر جہاد ہو، اور مسلمانوں کا ایک علاقہ ہو جو غیروں کے تسلط سے آزاد ہو جہاں وہ اپنی مرضی کے موافق اسلامی احکام جاری کرسکیں؛ علاوہ ازیں احناف کے یہاں مال غنیمت کی تقسیم اسی وقت جائز ہے جب اس کو کفار کے تسلط سے نکال کر دارالاسلام میں لے آویں، اور دنگا فساد میں یہ سب شرائط نہیں پائی جاتی ہیں۔

ہاں البتہ ان کفار سے ہتھیار یا کوئی ضرر رساں چیز حاصل ہو تو اس کو لے لیا جائے گا اور واپس نہیں کیا جائے گا، تاکہ وہ دوبارہ حملہ نہ کریں اور ان کے شر و فتنہ سے مسلمان محفوظ رہے، جیسے ڈاکو اور لٹیروں سے ہتھیار چھین لئے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہے۔

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا بیان

۶۲۳- **ضابطہ**: ہر وہ غذائی چیز جس کی ذخیرہ اندوزی سے انسانوں یا

→ وما نقل عن بعض الحنيفة من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام اهـ. (رد المحتار: ۵/۹۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)

---

(۱) مال المسلمين لا يصير غنيمة للمسلمين بحال (قواعد الفقه: ۱۱۷، قاعدہ: ۳۰۰)

(۲) (حاشیہ: قواعد الفقہ: ۱۱۷، قاعدہ: ۳۰۰)

جانوروں کو تکلیف ہو اس میں احتکار ثابت ہو جاتا ہے۔ (۱)

تشریح: احتکار کہتے ہیں: اشیاء ضروریہ کو خرید کر اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کرنا کہ جب اہل شہر کو مشقت ہوگی اور نرخ بڑھے گا تب فروخت کریں گے، یا قحط کے زمانے میں بازار میں لائیں گے۔

احادیث میں بڑے سخت الفاظ میں اس طرز عمل کی مذمت فرمائی گئی ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احتکار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ مفلس بنا دے گا اور برص کی بیماری میں مبتلا کر دے گا۔ ایک روایت میں ہے: کہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت میں وارد ہے کہ جس نے چالیس دن تک احتکار کیا اس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں۔ (۲)

طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک احتکار اور ذخیرہ اندوزی صرف غذائی اشیاء میں ممنوع ہے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تمام اشیاء مایحتاج میں خواہ انسان سے متعلق ہوں یا جانور سے اور خواہ غذا کے قبیل سے ہوں یا اس کے علاوہ سے احتکار ثابت ہو جاتا ہے؛ پس امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حقیقت ضرر کا اعتبار کیا ہے،

---

(۱) ویکره الاحتكار في أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلك في بلد يضر الاحتكار بأهله وكذلك التلقي. فأما إذا كان لا يضر فلا بأس به". (هداية: ۴/ ۳۷۷، كتاب الكراهية، فصل: في البيع)

(۲) وحديث عمر مرفوعا من احتكر على المسلمين طعامهم ضربه الله بالجذام والافلاس رواه بن ماجه وإسناده حسن ،وعنه مرفوعا قال الجالب مرزوق والمحتكر ملعون أخرجه بن ماجة والحاكم وإسناده ضعيف، وعن بن عمر مرفوعا من احتكر طعاما أربعين ليلة فقد برئ من الله وبرىء منه أخرجه أحمد والحاكم. (فتح الباري: ۴/ ۳۴۸ قوله باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة)

(وهكذا في عمدة القاري: ۱۷/ ۴۳۶، باب مايذكر في بيع الطعام والحكرة)

اور طرفین رحمہا اللہ نے ضرر معہود و متعارف کا لحاظ کیا ہے۔[1]

۶۲۴- **ضابطہ**: احتکار صرف تجار کے ساتھ مخصوص ہے، خود کی کھیتی (اور مصنوعات) میں احتکار نہیں۔

تشریح: تاجر غلہ وغیرہ کو شہر ہی سے یا جہاں سے شہر میں آتا ہے خرید کر نفع خوری کے لئے روک لیتے ہیں، اور لوگوں کو اس کی حاجت کے باوجود فروخت نہیں کرتے ہیں، حالانکہ اس میں تمام حاجت مندوں کا حق ہوتا ہے، اگر تاجر اس کو نہ خریدتا تو سب لوگ خریدتے اور اپنی حاجت پوری کرتے، پس یہ تاجر لوگوں کے درمیان آڑ بنتے ہیں اور اس طرح انسانوں کو تکلیف پہنچا کر ظالم ٹھہرتے ہیں، اس لئے شرعاً احتکار کا مصداق یہی بنتے ہیں۔

رہا کاشتکار تو وہ اپنی زمین کی پیداوار کا حق دار ہے، اس میں عوام کا حق متعلق نہیں، پس جس طرح کاشتکار کو اپنی زمین کی کاشت کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کی پیداوار کو بیچنے نہ بیچنے کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے، پس احتکار اس کے حق میں ثابت نہیں ہوتا۔

تاہم یہ خیال رہے کہ اگرچہ کاشتکار کو احتکار کا گناہ نہیں ہوتا، مگر بدنیتی، بے رحمی اور لوگوں کی تکلیف پر نظر نہ کرنے کا گناہ اس کو بھی ہوتا ہے، اور عوام کی ضرورت کے پیش نظر اگر حکومت اس کو ضرورت سے زائد غلہ فروخت کرنے پر مجبور کرے تو گنجائش ہے۔[2]

---

(۱) وتخصيص الاحتكار بالأقوات قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله, وقال أبو يوسف كل ما ضر بالعامة حبسه فهو احتكار, وإن كان ثيابا أو دراهم ونحو ذلك اعتبارا لحقيقة الضرر إذ هو المؤثر في الكراهة, وهما اعتبرا الضرر المتعارف المعهود. (تبيين الحقائق: ٦/ ٢٧، كتاب الكراهية، فصل فى البيع)

(۲) ولا يكون محتكرا بحبس غلة أرضه. (الدرالمختار) (قوله ولا يكون محتكرا إلخ) لأنه خالص حقه لم يتعلق به حق العامة، ألا ترى أن له أن لا ←

کھانے پینے کا بیان

۶۲۵- **ضابطہ**: غیر مسلموں کے یہاں اشیاء خرد ونوش میں ضابطہ یہ ہے کہ: ان کے برتن اوران کے کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق نجاست کا علم ہوتو کھانا، پینا، خریدنا حرام ہے اور اگر علم نہ ہوتو مکروہ ہے؛ اور اگر پاکی کا پورا علم ہوتو درست ہے۔[1]

تشریح: فی زمانہ غیر مسلم خواہ ہندو، مجوسی، نصرانی اور یہودی ہوں؛ یا نام نہاد مسلمان ہوں جن پر کفر کا فتوی ہے جیسے قادیانی، غالی شیعہ وغیرہ؛ اور خواہ ان کے گھر یہ نوبت آئے یا ان کی ہوٹل میں سب کا یہی حکم ہے۔

البتہ غالی شیعوں کے وہاں کھانے سے بہر صورت احتراز کرنا چاہئے، فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ اہل تشیع کے اکثر واقعات سنے ہیں کہ وہ اہل سنت والجماعت کو نجاست کھلا دیتے ہیں، اس لئے ان کے گھر کھانا خلاف احتیاط ہے۔[2]

اور مشرکین کے متعلق آیت میں: انما المشرکون نجس الخ جو کہا گیا ہے تو نجس سے مراد ان کا نجس الباطن اور خبیث الاعتقاد ہونا ہے،، ظاہری نجاست مراد نہیں ہے، اور باطنی نجاست ظاہری طہارت کے منافی نہیں ہے —— ہاں البتہ اگر کسی جگہ

← یزرع فکذا له أن لا یبیع هدایة قال ط والظاهر أن المراد أنه لا یأثم إثم المحتکر وإن أثم بانتظار الغلاء أو القحط لنیة السوء للمسلمین اهـ وهل یجبر علی بیعه الظاهر نعم إن اضطر الناس إلیه تأمل. (رد المحتار: ۶/ ۳۹۹، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع)

(۱) یکره الأکل والشرب في أواني المشرکین قبل الغسل ومع هذا لو أکل أو شرب فیها جاز إذا لم یعلم بنجاسة الأواني وإذا علم حرم ذلك علیه قبل الغسل. (البحر الرائق: ۸/ ۲۳۲، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع)

(۲) (فتاویٰ محمودیه: ۱۸/ ۵۳، کتاب الحظر، باب الأکل والشرب)

مشرکین وہندو باوجودیکہ وہ اہل باطل ہیں اور ہم اہل حق ہیں: ہم کو ذلیل وناپاک سمجھ کر پرہیز کرتے ہوں، تو ہم بھی اس کی پاداش میں ان سے احتراز رکھیں تو اس احتیاط میں کوئی مضائقہ نہیں، کہ: الحق يعلوا و لا يعلى و جزاء سيئةٍ سيئةٌ بمثلها. (۱)

فائدہ: اور غیر مسلم کا قول گوشت کی حلت وحرمت کے متعلق معتبر نہیں، یعنی اس کا یہ کہنا کہ یہ گوشت حلال ہے یا حرام ہے معتبر نہیں، کیونکہ یہ دیانت کے قبیل سے ہے اور باب دیانت میں کافر کا قول معتبر نہیں؛ لیکن اس کا قول کہ میں نے یہ گوشت فلاں مسلمان سے خریدا ہے معتبر وقابل قبول ہے، اب اس سے خریدنا یا کھانا جائز ہوگا، جبکہ صدق کا ظن ہو اور اس بات کا اعتماد ہو کہ اس نے اس میں کوئی ناجائز گوشت نہیں ملایا ہوگا، کیونکہ یہ معاملات سے متعلق ہے اور اس میں جو دیانت ہے وہ ضمناً ہے۔ (۲)

اور مسلم کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ:

۶۲۶- ضابطہ: مسلمان کے فعل کو حتی الامکان صحت اور حلت پر محمول کرنا واجب ہے، مگر یہ کہ اس کے خلاف بینہ قائم ہو جائے۔ (۳)

---

(۱) (امداد الفتاوی، ملخصاً: ۱۱۵/۴، کتاب الحظر)

(۲) فقال اشتريت من يهودي، أو نصراني، أو مسلم وسعه أكله، وإن قال اشتريت من مجوسي لا يسعه فعله لأنه لما قبل قوله في حق الشراء منه لزم قبوله في حق الحل والحرمة ضرورة لما ذكرنا، وإن كان لا يقبل قوله فيه قصدا بأن قال: هذا حلال، أو هذا حرام ألا ترى أن بيع الشرب وحده لا يجوز وتبعا للأرض يجوز وكم من شيء يصح ضمنا، وإن لم يصح قصدا كذا صرحوا به قاطبة ولو قال اشتريته من غير المسلم والكتابي فإنه يقبل قوله: في ذلك ويتضمن حرمة ما اشتراه كما صرحوا به أيضا. (البحر الرائق: ۲۱۲/۸، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب)

(۳) وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن إلا أن تقوم البينة. (المبسوط للسرخسي: ۶۲/۱۲، كتاب الدعوى، باب اختلاف ←

۶۲۷- **ضابطہ**: محض شک اور افواہوں سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی، جب تک کہ اس کے متعلق یقین یا ظن غالب نہ ہو۔[۱]

تفریعات:

(۱) پس محض اس بنیاد پر کہ بعض قصاب بوقت ذبح بسم اللہ نہیں پڑھتے، گوشت کو حرام نہیں کہا جائے گا، کیونکہ قصاب کے بسم اللہ نہ پڑھنے کا یقین کیسے ہوسکتا ہے؟ شاید آہستہ پڑھی ہو، ہاں اگر کسی خاص قصاب کے بارے میں کسی خاص موقع پر کسی کو بسم اللہ نہ پڑھنے کا یقین ہوجائے تو صرف وہی ذبیحہ حرام ہوگا، اسی قصاب کے دوسرے ذبائح اور دوسرے قصابوں کے ذبائح پر بلا دلیل حرمت کا حکم لگانا صحیح نہ ہوگا۔

(۲) اسی طرح محض اس بنا پر کہ بعض شیر فروش پاکی ناپاکی کا اہتمام نہیں کرتے: دودھ کو نجس و حرام نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کا بھی حکم مثل مذکور کے ہوگا۔

(۳) اسی طرح لوگوں میں محض افواہ کے طور پر جو باتیں چل پڑتی ہیں: مثلاً شکر میں مردار کی ہڈی ڈالی جاتی ہے، یا پارلے بسکٹ میں یا چیونگم میں خنزیر کی چربی ڈالی جاتی ہے، یا تمام ٹھنڈے مشروبات میں الکوحل ملایا جاتا ہے وغیرہ ... تو محض ایسی افواہوں کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہ ہوگی، جب تک کہ یقینی و معتبر ذرائع سے وہ بات ثابت نہ ہوجائے، یا قرائن سے غلبہ ظن حاصل نہ ہوجائے۔[۲]

← الأوقات في الدعوى وغير ذالک)

---

(۱) اليقين لا يزول بالشک. (مجلة الأحكام العدلية: ۱/۱۶، رقم المادة: ۱۶)

غلبة الظن تعمل عمل اليقين. (تبيين الحقائق: ۱/۳۴۲ كتاب الصوم، فصل في العوارض)

(۲) ألا ترى أن أسواق المسلمين لا تخلو عن المحرم المسروق والمغصوب ومع ذلك يباح التناول اعتمادا على الغالب، وهذا لأن القليل لا يمكن الاحتراز عنه ولا يستطاع الامتناع منه فسقط اعتباره دفعا للحرج. (فتح القدير: ۱۰/۵۲۸، خاتمة الكتاب) ←

فائدہ: احسن الفتاوی میں ہے کہ زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات واوہام کی بنا پر احتراز کرنا دین میں تعمق وغلو ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اور بلادلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔[۱]

۶۲۸- **ضابطہ**: جو مشتبہ چیز تمہیں ناپسند ہو اپنے عمل میں اسے چھوڑ دو، مگر دوسروں کے لئے اسے حرام نہ قرار دو۔[۲]

۶۲۹- **ضابطہ**: مذبوحہ جانور کی ہڈی استعمال کرنا دوا وغیرہ میں جائز ہے خواہ تر ہو یا خشک؛ اور غیر مذبوحہ (مردار) کی خشک ہڈی جائز ہے تر جائز نہیں۔

تشریح: مذبوحہ جانور خواہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم، سب کا حکم مساوی ہے کیونکہ ذبح کرنا جانور کو پاک کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے چمڑے کا حکم ہے۔

اور غیر مذبوحہ یعنی مردار کی صرف خشک ہڈی سے انتفاع جائز ہے تر سے جائز نہیں، کیونکہ خشک ہونا ہڈی میں بمنزلہ چمڑے میں دباغت کے ہے، پس جیسے مردار کا چمڑا دباغت کے بعد ہی پاک ہوتا ہے، اس کی ہڈی بھی خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہوگی، اس سے پہلے انتفاع جائز نہ ہوگا۔

لیکن خنزیر اور آدمی کی ہڈی مستثنی ہے کہ اس سے انتفاع بہر صورت جائز نہیں، اس لئے کہ خنزیر نجس العین اور انسان مکرم ومحترم ہے۔[۳]

→ ليس زماننا زمان اجتناب الشبهات كما فيه من الخانية و التجنيس. الخ (الأشباه والنظائر: ۱/ ۳۲۰، كتاب الحظر و الإباحة)

(۱) (احسن الفتاوی: ۸/ ۱۲۶ كتاب الحظر و الاباحة، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء)

(۲) ما كرهت فدعه و لا تحرمه على أحدٍ (سنن ابی داؤد: ۳/ ۹۷، حديث: ۲۸۰۲، كتاب الضحايا، باب مايكره من الضحايا)

(۳) وما ذكر من الجواب يجري على إطلاقه فيه إذا كان الحيوان ذكياً، لأن عظمه طاهر، رطباً كان أو يابساً يجوز الانتفاع به جميع أنواع الانتفاعات رطباً كان أو يابساً، فيجوز التداوي به على كل حال؛ أما إذا كان الحيوان ميتاً، ←

ملحوظہ: خیال رہے کہ مذکرہ حکم دوا اور خارجی استعمال کا ہے، باقی اشیاء خوردنی میں ہڈیوں کے استعمال میں تو صرف ماکول اللحم اور وہ بھی مذبوحہ علی طریقۃ الشریعۃ کی ہی ہڈی جائز ہوگی، غیر ماکول اللحم اور مردار کی ہڈی کا استعمال اس میں جائز نہ ہوگا، کیونکہ مردار اور غیر ماکول اللحم کی جو چیزیں پاک ہیں ان کا بھی کھانا جائز نہیں۔[1]

۶۳۰- **ضابطہ:** وہ الکحل حرام ہے جو گیہوں اور انگور سے بنے، اس کے علاوہ سے جو بنتا ہے اس میں گنجائش ہے۔

تشریح: 'الکحل' (اسپرٹ) کا فی زمانہ عموم بلویٰ ہے کہ بہت سی دواؤں عطریات اور دیگر مرکبات میں استعمال ہوتا ہے پس وہ انگور یا کھجور سے بنایا گیا ہے تو اس کی حلت اور طہارت کی کوئی راہ نہیں، اور اگر ان دو کے علاوہ کسی اور مادہ سے بنایا گیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب میں اس میں سہولت ہے کہ دواؤں میں اور دیگر جائز مقاصد میں اس کا استعمال حرام نہ ہوگا بشرطیکہ وہ حد سکر تک نہ پہنچے ـــــ اور آج کل دواؤں، عطریات وغیرہ میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ عموماً انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً چمڑا، گندھک، شہد، دانہ، جو، پیٹرول وغیرہ سے حاصل کیا

← فإنما يجوز الانتفاع بعظمه إذا كان يابساً، ولا يجوز الانتفاع به إذا كان رطباً، وهذا لأن اليبس في العظم بمنزلة الدباغ في الجلد من حيث إنه يقع الأمن عن فساد العظم باليبس، كما يقع الأمن عن فساد الجلد بالدباغ، ثم جلد الميتة يطهر بالدباغ، فكذا عظمه يطهر باليبس، فيجوز الانتفاع به، فيجوز التداوي به. (المحيط البرهاني: ۳۷۳/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل التاسع عشر)

---

(۱) والعظم ونحوه طاهر بأصل الخلقة على ما ذكرنا في كتاب الطهارة فجاز بيعه ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدباغ حتى يجوز بيعها والانتفاع بها غير الأكل لطهارتها بالذكاة. (تبيين الحقائق: ۵۱/۴، باب البيع الفاسد)

جاتا ہے پس اب جبکہ اس میں عموم بلویٰ بھی ہے شیخین کا مسلک اختیار کرنے میں گنجائش ہے۔ (۱)

۱۶۳۱- ضابطہ: تبدیل حقیقت و ماہیت سے شرعی احکام حرمت ونجاست وغیرہ میں فرق آجاتا ہے۔ (۲)

تشریح: تبدیل حقیقت و ماہیت سے کیا مراد ہے؟ فقہاء نے اس سلسلہ میں کوئی واضح اور قطعی بات نہیں کہی ہے، بلکہ جزئیات اور مثالوں کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے، مثلاً صابن میں خنزیر کی چربی ڈالی گئی اور وہ صابن ہوگئی تو وہ صابن پاک ہے اس کا استعمال جائز ہے؛ گدھا نمک کی کان میں گر کر نمک ہوگیا تو وہ نمک پاک ہے اس کا کھانا حلال ہے وغیرہ۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: کہ راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ صورت اور اوصاف سہ گانہ -رنگ، بو، مزہ- کی تبدیلی سے تحویل حقیقت ہوجاتی ہے، گو کسی شیء کا اصل مادہ اور قوام باقی رہے، جیسے شراب سرکہ بن جائے تو اصل مادہ باقی رہتا ہے، اوصاف اور اثرات میں تبدیلی آتی ہے۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: جوہری وصف کا بدل جانا، یعنی اصل وبنیادی خصوصیت یا خصوصیات میں تبدیلی آجانا انقلابِ ماہیت ہے، اگرچہ اس کی کچھ دیگر خصوصیات برقرار رہے، مثلا شراب سرکہ بن جانے یا اس کے برعکس صورت میں سیلان ورقت، بلکہ بہت حد تک رنگ جیسے اوصاف عموماً برقرار

---

(۱)(ماخوذ: تكملة فتح الملهم، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب ادام اللہ ظلہ:۹/۴۹۸، كتاب الأشربة)

(۲)ثم اعلم أن العلة عند محمد هي التغير و انقلاب الحقيقة و أنه يفتى به للبلوى كما علم مما مر، و مقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير و انقلاب حقيقة. الخ (ردالمحتار:۱/۳۱۶،باب الأنجاس)

رہتے ہیں، مگر چوں کہ اصل خاصیت اور جوہری وصف 'سکر' بدل جاتا ہے، اس لئے حقیقت بدل جاتی ہے، اور اسی وجہ سے حکم میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں فقہی سیمینار مؤرخہ: ۱۳ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد میں اس موضوع پر جو تجاویز منظور ہوئیں، ان کی چند دفعات یہ ہیں:

۱-شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت ونجاست اس شیء کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر، یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبی اور ماحولیاتی اثر کے تحت اس شیء کی اصل حقیقت وماہیت تبدیل ہوگئی ہو تو اس شیء کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔

۲-تبدیل ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شیء کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شیء کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شیء کی حقیقت میں داخل نہیں اس شیء میں باقی رہ جانا تبدیلئ ماہیت میں مانع نہیں۔

۳-اگر حلال وپاک اشیاء میں حرام وناپاک شیء کا اختلاط ہو، اصل حقیقت تبدیل نہ ہو، تو وہ حرام وناپاک ہی باقی رہے گی۔اھ (۱)

تفریعات:

(۱) جیلی کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ اس میں مردار کی کھال استعمال کی جاتی ہے تو اگر یہ صحیح بھی ہو تو تبدیل ماہیت کی بنا پر اس کو حرام وناپاک نہیں کہیں گے۔ (۲)

(۲) شاہ جہاپوری چینی جس کو ہڈی سے صاف کیا جاتا ہے تو تحقیق یہ ہے کہ ہڈی کو

---

(۱) (ماخوذ: قاموس الفقہ: ۲/ ۹۳ - ۹۴؛ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی سے متعلق کچھ اہم مباحث: ۲۰۷ ملخصاً)

(۲) (احسن الفتاوی: ۸/ ۱۲۸ کتاب الحظر و الاباحۃ، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء)

جلا دیتے ہیں جس سے وہ طاہر ہو جاتی ہے، اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔[۱]

(۳) اگر تیل میں حشرات الارض جلا کر کوئلہ کر لئے گئے، تو اس تیل کا کھانا اور لگانا اور اس جلے ہوئے کوئلہ کا کھانا اور لگانا سب درست ہے، کیونکہ بوجہ تبدیل ماہیت کے 'استخباث' جاتا رہا۔[۲]

۶۳۲-**ضابطه**: ہر وہ جاندار جس کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، پانی کے علاوہ دیگر اشیاء بھی اس سے ناپاک نہ ہوں گی، مگر اس کا کھانا بوجہ استخباث حرام ہے۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس طعام وشراب کی قلیل مقدار میں مکھی، مچھر وغیرہ حشرات الارض میں سے کوئی گر جائے اور اس کے اجزاء اس میں حل ہو جائے مثلاً تیز گرم چائے میں مکھی گر جائے اور اس کا عرق اس میں مل جانے کا ظن غالب ہو جائے تو اس کا پینا جائز نہیں ـــــ اور اگر کثیر مقدار میں گرے مثلاً بڑی دیگ میں مکھی گرے تو بوجہ عدم استخباث اس کا استعمال جائز ہے ـــــ اسی طرح کسی ٹھنڈی یا معمولی گرم چیز میں گرے تو خواہ وہ چیز قلیل مقدار میں ہو اس کو نکال کر اس شیء کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ تغمیس ذباب (مکھی کو غوطہ دینے والی) والی روایت میں ہے۔[۴]

---

(۱) (امداد الفتاوی: ۴/۱۰۵، کتاب الحظر و الإباحة، کھانے پینے کی حلال وحرام چیزوں کا بیان)

(۲) (امداد الأحكام: ۴/۳۱۶، كتاب الحظر، باب التداوی)

(۳) واعلم أن كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء، وهو الأصح كذا في المحيط والتحفة والأشبه بالفقه كذا في البدائع لكن يحرم أكل هذه الحيوانات المذكورة ما عدا السمك الغير الطافي لفساد الغذاء وخبثه متفسخا. (البحر الرائق: ۱/۹۵، كتاب الطهارة، الماء المستعمل)

(۴) ...لكن يحرم أكله لفساد الغذاء وخبثه (تحفة الفقهاء: ۱/۶۳، باب ←

(۲) گیہوں وغیرہ پینے میں کچھ سُرسُری بھی اس کے ساتھ پس جائیں (یعنی اتنی مقدار میں جس کو خاطر میں نہیں لایا جاتا) تو بوجہ عدم استخباث اور تعذر کے اس آٹے کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ چوہے کی مینگنی پس جانے کا حکم ہے۔[۱]

(۳) کیڑے لگا ہوا پھل کھانا حلال نہیں، کیڑا نکال کر کھانا ضروری ہے۔[۲]

(۴) شہد میں چیونٹیاں گر جائیں اور نکالنا ممکن نہ ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں۔[۳]

(۵) پانی میں مینڈک گرے اور پھٹ جائے تو پانی پاک ہے (اس کا خارجی استعمال وضو وغیرہ میں جائز ہے) مگر اس کا پینا حرام ہے۔[۴]

← النجاسات)

إلا أنه يكره شرب المائع الذي تفسخ فيه، لأنه لا يخلو عن أجزاء ما يحرم أكله. (بدائع الصنائع: ۷۹/۱، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسا)

اور بحر میں یہ جوجزئیہ ہے: "ومعنى امقلوه اغمسوه وجه الاستدلال به أن الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما أمر النبي - صلى الله عليه وسلم - بغمسه ليكون شفاء لنا إذا أكلناه". تو اس کے متعلق احسن الفتاوی میں ہے کہ وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے اختلاط کا ظن غالب نہ ہو۔ (احسن الفتاوی: ۱۲۹/۸، کتاب الحظر، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء)

---

(۱) وفي القهستاني عن المحيط خرء الفأرة لا يفسد الدهن و الحنطة المطحونة ما لم يتغير طعمها. قال أبو الليث: وبه نأخذ. (ردالمحتار: ۷۳۲/۶، كتاب الخنثى، مسائل شتى)

(۲،۳) قال ط: ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح اهـ (ردالمحتار: ۳۰۶/۶، كتاب الذبائح)

(۴) وروى عن محمد إذا تفتت الضفدع في الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت أجزاؤه في الماء. (البحر الرائق: ۹۴/۱، كتاب الطهارة، أحكام المياه)

۶۳۳- **ضابطہ:** ہر وہ حیوان جس کا کھانا حلال نہیں اس کا دودھ حلال نہیں (مگر آدمیہ کا دودھ بچہ کے لئے مدت رضاعت میں مستثنیٰ ہے)۔۔۔اسی طرح ہر ایسا پرندہ جس کا گوشت حلال نہیں اس کا انڈا حلال نہیں۔ [۱]

۶۳۴- **ضابطہ:** گرم کھانا پینا جو برداشت نہ ہو سکے وہ ممنوع ہے جو برداشت ہو سکے وہ ممنوع نہیں۔

تشریح: پس حدیث شریف میں یہ جو مضمون ہے: "ابردوا بالطعام فان الطعام الحار غير ذی بركة" تو اس کا محمل یہی ہے، ورنہ سالن، چاول، روٹی، وغیرہ سبھی گرم کھائی جاتی ہیں اور ٹھنڈا کرنے سے اس کی لذت وخاصیت میں فرق آجاتا ہے؛ یہی حال چائے کا ہے کہ ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ چائے نہیں بلکہ شربت بن جائے گی۔ [۲]

فائدہ: اور گرم کھانا پھونک مار مار کر کھانا خلاف ادب ہے، کہ یہ عجلت بازی،

(۱) وفي شرح السنة: كل حيوان لا يحل أكله فلا يحل شرب لبنه إلا الآدميات، يعني للأطفال، وكل طير لا يحل لحمه لا يحل بيضه. (رواه مسلم) (مرقاة المفاتيح: ۲۶۶۳/۷، كتاب الصيد و الذبائح، باب ما يحل أكله وما يحرم)

(۲) (وأكره الحميم) أي الماء الحار أي استعماله في نحو شرب أو طهر والمراد الشديد الحرارة لضرره ومنعه الإسباغ. (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوى: ۷۶/۱، حرف الهمزة)

بطعام سخن أي حار وما روى من كراهة أكل طعام حار بان الحار لا بركة فيه فمحمول على شدة الحرارة. (شرح سنن ابن ماجه للسيوطى: ۳۰۶/۱، باب الملاحم)

ويظهر أن المراد بتبريده أن يصير باردا تقبله البشرة ويتهنئ به الآكل بأن يكون فاترا لا باردا بالكلية فإن أكثر الطباع تأباه فالمراد بالبرد أول مراتبه. (فيض القدير: ۲۵۹/۳)

بے صبری اور قلت مروت پر دلالت کرتا ہے، پس ذرا صبر کر کے کھانا چاہیے تاکہ زیادہ گرم نہ ہو اور سہولت سے کھایا جا سکے۔ (۱)

تاہم امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کھانے میں پھونک مارنا مطلقاً مکروہ نہیں، بلکہ ایسی پھونک مکروہ ہے جس میں اف اف کی آواز ہو اور یہی نہی کا محمل ہے (۲) —— غور کیا جائے تو مذکورہ قباحتیں ایسی ہی پھونک میں ہیں، ہلکی بغیر آواز کی پھونک میں نہیں۔

۶۳۵-ضابطہ: کھانے کی ابتداء اور انتہاء میں نمک چونکہ عبادت نہیں اس لئے مستحب (مستحب شرعی) نہیں کہہ سکتے؛ البتہ عادات مرضیہ اور موافقة للقواعد الشرعیہ ہے اس لئے مستحب بمعنی محبوب و مرغوب فیہ کہہ سکتے ہیں۔ (۳)

تشریح: شامی وغیرہ میں ہے و من السنة البداءة بالملح و الختم به بل فيه شفاء من سبعين داء. (۴) تو وہاں سنت سے مراد سنت اصطلاحی نہیں، بلکہ الطریقة المحمودة یعنی مستحب ہے اس لئے کہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی قطعی ثبوت نہیں، پس ایسے امور میں یہ ضابطہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۶۳۶-ضابطہ: ہر ایسے طریقے پر کھانا پینا جس میں فساقوں کا طور و انداز

---

(۱) (نهى أن يتنفس في الإناء) عند الشرب (أو ينفخ فيه) لأن التنفس فيه يورث ريحا كريها في الإناء فيعاف و النفخ في الطعام الحار يدل على العجلة الدالة على الشره وعدم الصبر وقلة المروءة. (فيض القدير: ۶/ ۴۴۸)

(۲) وعن الثاني أنه لا يكره النفخ في الطعام إلا بما له صوت نحو أف و هو محمل النهي. (ردالمحتار: ۶/ ۳۴۰، كتاب الحظر و الاباحة)

(۳) (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۱۱۳، كتاب الحظر و الاباحة، کھانے پینے کی حلال وحرام چیزوں کا بیان)

(۴) (ردالمحتار: ۶/ ۳۴۰، كتاب الحظر و الإباحة)

اپنایا جائے حرام ہے۔[۱]

تفریع: پس کھڑے کھڑے یا چلتے چلتے کھانا جیسا کہ بعض دعوتوں میں یہ طریقہ رائج ہو رہا ہے؛ یا گانے وغیرہ کے دھن پر لچکتے مٹکتے ہوئے کھانا؛ یا مشروبات میں گلاسوں کو ٹکرا کر چیئرس وغیرہ کہہ کر پینا- جیسا کہ عند الفساق مروج ہے- وغیرہ سب امور حرام ہیں۔

البتہ میز کرسی پر کر کھانے کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ: اگر کفار وفساق یا متکبرین کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو میز کرسی پر کھانا جائز نہیں، اور تشبہ کی نیت نہ ہو تو بھی خلاف سنت بہر حال ہے، اس لئے اس سے احتراز چاہئے، البتہ کہیں ابتلاء ہو جائے تو کھانے کی گنجائش ہے۔[۲]

۶۳۷- **ضابطہ**: بے تکلف دوستوں، متعلقین اور قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے کی چیز بلا اجازت کھا لینے یا استعمال میں ضابطہ یہ ہے کہ: اگر ایک کو دوسرے کی طرف سے اجازت ہے، اور چیز کھا لینے سے آپس میں ناخوش نہیں ہوتے، بلکہ خوش ہوتے ہیں تو شرعاً درست ہے، اور اگر ناخوش ہوتے ہوں تو بلا اجازت جائز نہیں۔[۳]

---

(۱) وإنما قال في الدرر: إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفسقة حرم. (ردالمحتار: ۳۷۲/۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل في النظر والمس؛ وهكذا في درر الحكام شرح غرر الاحكام: ۸۷/۲، کتاب الاشربة)

(۲) (مستفاد: الكوكب الدرى مع الحاشية: ۱-۲، کتاب الاطعمة؛ احسن الفتاویٰ: ۲۱/۸، کتاب الحظر والاباحة، کھانے پینے کی حلال وحرام اشیاء؛ فتاوی محمودیہ: ۱۸/ ۷۹ کتاب الحظر والاباحة، باب الاكل والشرب)

(۳) عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ... لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد: ۲۹۹/۳۴، حدیث: ۲۰۶۹۵، مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي)

انتباہ: تاہم نفس کے مکر سے متنبہ رہنا چاہئے ،بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ اس چیز کے استعمال سے صاحب مال کو نا گواری نہیں ہوگی ،مگر معاملہ برعکس ہوجاتا ہے،- خصوصا جبکہ وہ چیز قیمتی یا اس کے لئے قابل قدر ہو- اس لئے جب تک صریح اجازت یا رضامندی پر قوی قرائن نہ ہوں کسی چیز کے استعمال سے احتیاط چاہیئے۔

حلال وحرام جاندار کا بیان

۶۳۸- **ضابطہ:** سمندر (پانی) کے سب جانور حرام ہیں،سوائے مچھلی کے۔

اور مچھلی کے متعلق ضابطہ ہے کہ:

۶۳۹- **ضابطہ:** جو مچھلی کسی ظاہری سبب سے مرے وہ حلال ہے،اور جو بغیر کسی سبب کے مرے وہ حلال نہیں۔

تشریح: کسی سبب سے مرنا، جیسے:

۱- شکار کردہ مچھلی، کہ پانی سے خروج کی بنا پر اس کی موت ہوتی ہے۔

۲- پانی کم ہوگیا اور اس کی قلت کی وجہ سے مرگئی۔

۳- جال میں یا کانٹے میں پھنسنے کی وجہ سے مرگئی۔

۴- کسی پرندے نے اس کو مارا۔

۵- کسی تنگ جگہ میں پھنس گئی جہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا اس وجہ سے مرگئی۔

۶- پانی کی شدت حرارت یا برودت کی وجہ سے مرگئی —— اس میں دو روایتیں ہیں مفتی بہ روایت یہی ہے کہ ایسی مچھلی حلال ہے۔

۷- پتھر، چھری وغیرہ لگ نے سے مرگئی —— اگر اس کا کوئی ٹکڑا الگ ہوگیا تو وہ بھی حلال ہے کیونکہ زندہ سے علاحدہ حصہ اگرچہ مردار شمار ہوتا ہے، مگر مچھلی کا میتہ حلال ہے۔

۸- بڑی مچھلی کے پیٹ سے چھوٹی مردار مچھلی پائی گئی، کیونکہ جگہ کی تنگی اس کی

موت کا سبب ہے ـــــ لیکن اس کے دبر سے نکلے تو 'جوہرۃ' میں ہے کہ وہ حلال نہیں کیونکہ وہ پاخانہ میں حلول کرگئی۔

اور جو مچھلی بغیر کسی سبب کے اپنی موت مرے، جیسے طافی مچھلی - یعنی وہ مچھلی جو پانی میں بلا کسی ظاہری سبب کے مر کر الٹی ہوجاتی ہے - تو وہ حلال نہیں، یعنی اس کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں؛ اگر مچھلی مر کر الٹی نہیں ہوئی، بلکہ اس کی پشت اوپر ہی ہے تو وہ طافی نہیں اس کا کھانا حلال ہے، بزازیہ، منیۃ المفتی وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ (۱)

(۱) الأصل في السمك عندنا أن ما مات منه بسبب فهو حلال كالمأخوذ منه وما مات منه بغير سبب لا يحل كالطافي وإن ضرب سمكة فقطع بعضها يحل أكل ما أبين وما بقي؛ لأن موته بسبب وما أبين من الحي وإن كان ميتا فميتته حلال للحديث، وكذا إن وجدت في بطنها سمكة أخرى؛ لأن ضيق المكان سبب لموتها، وكذا إن قتلها شيء من طير الماء أو ماتت في جب ماء أو جمعها في حظيرة لا تستطيع الخروج منها وهو يقدر على أخذها بغير صيد فماتت فيها لأن ضيق المكان سبب لموتها، وإذا ماتت في الشبكة وهي لا تقدر على التخلص منها أو أكل شيئا ألقاه في الماء لتأكله فماتت منه أو ربطها في الماء فماتت أو تجمد الماء فبقيت بين الجمد وماتت تؤكل وإن ماتت بحر الماء أو برده تؤكل في رواية لوجود السبب لموتها وفي أخرى لا؛ لأن الماء لا يقتل السمك حارا كان أو باردا كذا في الكافي والنهاية. (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۲۸۱، آخر كتاب الذبائح)

(قلت) لكن صاحب الهداية قال في التجنيس والمزيد السمكة إذا قتلها حر الماء أو برده قال الإمام لا تؤكل كالطافي. وقال محمد تؤكل، وهذا أظهر وأرفق بالناس اهـ. فقد قيد إطلاقه في الهداية اهـ. وفي منية المفتي، وعن محمد يحل به ويفتى اهـ. وعليه أكثر المشايخ، وقال الفقيه قول المشايخ أي القائلين بالحرمة أعجب؛ لأنها ماتت بآفة فصار كموتها بتجمد الماء. وقال ←

۶۴۰- **ضابطہ**: ہر وہ چوپائی جو اپنے نوکیلے دانتوں سے شکار کرتا ہے جیسے کتا شیر، چیتا، بھیڑیا، بلی، بجّو، لومڑی، ریچھ، بندر وغیرہ اور ہر وہ پرندہ جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے جیسے باز، چیل، گدھ، شکرا، شاہین، عقاب، وغیرہ ان کا کھانا حرام ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں ہے: عن ابن عباس، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل ذي ناب من السباع، وعن كل ذي مخلب من الطير.[1]

صاحب مجمع الانہر فرماتے ہیں حدیث میں ذی ناب سے مراد وہ درندہ ہے جو اپنے نوکیلے دانتوں سے شکار کرتا ہے، اور ذی مخلب سے مراد وہ پرندہ ہے جو اپنے ناخنوں سے شکار کرتا ہے، ورنہ تو اونٹ کے بھی نوکیلے دانت ہوتے ہیں اور کبوتر کے بھی پنجے ناخن والے ہوتے ہیں۔[2]

← القاضي فيه إنها تؤكل عند الكل.

(قوله: وكذا إن وجد في بطنها سمكة أخرى) أي فتؤكل بخلاف ما لو خرجت من دبر السمكة فلا تؤكل؛ لأنها قد استحالت عذرة كما في الجوهرة.

إذا وجدت السمكة ميتة على وجه الماء وبطنه من فوق الماء لم يؤكل؛ لأنه طاف وإن كان ظهره من فوق أكل؛ لأنه ليس بطاف ومثله في البزازية ومنية المفتي، ثم قال في الذخيرة.

وفي المنتقى عن محمد إذا كانت السمكة استقلت الماء وماتت لم تؤكل؛ لأنها إن تركت طفت اهـ. ولا يخفى أن سبب موتها معلوم والطافي بخلافه. (حاشية الشرنبلالية على درر الحكام: ۱/۲۸۰-۲۸۱، آخر كتاب الذبائح)

(۱)(صحيح مسلم: ۳/۱۵۳۴، حديث: ۱۹۳۴ كتب الصيد والذبائح، باب إذا غاب عنه الصيد ثم وجده)

(۲) والمراد من ذي ناب الذي يصيد بنابه ومن ذي مخلب الذي يصيد بمخلبه لأكل ذي ناب ومخلب فإن الحمامة لها مخلب والبعير له ناب (مجمع الأنهر: ۲/۵۱۲، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل)

نیز جاندار کی حلت وحرمت کے متعلق ایک اور تکمیلی ضابطہ یہ ہے کہ:

۶۴۱ - **ضابطہ**: تمام حشرات الارض جیسے کیڑے، مکوڑے، مچھر، مکھی وغیرہ، اور ہر وہ جانور جو مردار ونجاست کھاتا ہے، جیسے ابقع نامی کوّا وغیرہ بوجہ خبث حرام ہیں۔

تشریح: خبث کا مطلب ہے طبیعت سلیمہ ان سے نفرت وگھن کرتی ہے، پس یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ (الاعراف: ۱۵۷) کے تحت داخل ہیں ــــ مینڈک، کچھوا، چوہا، گلہری سانپ، چھپکلی وغیرہ کی حرمت بھی اسی بنا پر ہے۔

اور نجاست کھانے والے جانور سے مراد جو عادتاً نجاست کھاتا ہو یعنی خلقی طور پر اس کی خوراک ہی نجاست ہو؛ اگر کسی جانور کی خوراک تو اصلاً یہ نہ ہو مگر کسی عارضہ کی وجہ سے نجاست کھانا شروع کردے جس کی وجہ سے اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے جو قریب جانے پر محسوس ہوتی ہو تو اس کو "جلاّلہ" کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو محبوس کرکے اتنے دنوں تک گھاس دانہ کھلایا جائے کہ نجاست کا اثر اس کے گوشت سے ختم ہوجائے، اس سے پہلے اس کا گوشت کھانا، اس کا دودھ پینا، اس پر بار برداری کرنا، اور اس کی بیع وہبہ سب مکروہ تحریمی ہے ــــ اور اس حبس کے لئے کوئی تحدید نہیں اگرچہ ظاہر الروایت میں مرغی میں تین دن، بکری میں چار دن، اور گائے اور اونٹ میں دس دن تک حبس کی قید لگائی ہے، مگر اصح یہ ہے کہ مبتلی بہ کی رائے پر موقوف ہے، جب اس کو قرائن سے یہ غالب گمان ہوجائے کہ اب اس کے گوشت سے نجاست کا اثر ختم ہوگیا ہوگا وہ حلال ہے، اور جب تک یہ غالب گمان نہ ہو حلال نہیں، خواہ اس کے لئے دس دن لگے یا اس سے کم وبیش۔

اور جس جانور کی غذا مخلوط ہو جیسے مرغی، کہ دانہ کے ساتھ ساتھ کبھی نجاست وحشرات الارض بھی کھالیتی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، یہی صحیح ہے، روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مرغی تناول فرمائی ہے۔ (۱)

(۱) وعن إبراهيم - رحمه الله تعالى - قال: كانوا يكرهون كل ذي مخلب ←

فائدہ: اگر کسی جانور نے خنزیر یا کتیہ کے دودھ یا گوشت سے نش ونما پائی یا مچھلی کو ناپاک پانی میں چھوڑ دیا اور اسی میں وہ بڑی ہوئی تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس سے اس کے گوشت میں بدبو وغیرہ پیدا نہیں ہوتی جس کی بنا پر اس کو حرام کہا جائے برخلاف جلّالہ کے۔(۱)

← من الطير، وما أكل الجيف، وبه نأخذ؛ لأن كل ما يأكل الجيف كالفراق والغراب الأبقع مستخبث طبعا فيدخل تحت قوله{ويحرم عليهم الخبائث} [الأعراف: ۱۵۷] (المسوط للسرخسي: ۲۲۶/۱۱، كتاب الصيد، رمى صيدا افتردى من جبل)

وأصل ذلك أن ما يأكل الجيف فلحمه نبت من الحرام فيكون خبيثا عادة، وما يأكل الحب لم يوجد ذلك فيه، وما خلط كالدجاج والعقعق فلا بأس بأكله عند أبي حنيفة وهو الأصح لأن النبي -صلى الله عليه وسلم- أكل الدجاجة وهي مما يخلط. (العناية:۹/۵۰۰، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل)

فالمؤثر في الحرمة الخبث الخلقي كما في الهوام أو بعارض كما في الجلالة كبقرة تتبع النجس. (مجمع الأنهر: ۵۱۳/۲، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل)

وفي التجنيس: إذا كان علفها نجاسة تحبس الدجاجة ثلاثة أيام، والشاة أربعة، والإبل والبقر عشرة، وهو المختار على الظاهر. وقال السرخسي: الأصح عدم التقدير وتحبس حتى تزول الرائحة المنتنة. وفي الملتقى: المكروه الجلالة التي إذا قربت وجد منها رائحة فلا تؤكل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها، ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها. (رد المحتار: ۳۰۶/۶، كتاب الذبائح، ط: دار الفكر-بيروت؛ وكذا في المبسوط للسرخسي: ۲۵۶/۱۱، كتاب الصيد، لحوم الإبل الجلالة والعمل عليها)

(۱) ولو ارتضع جدي بلبن كلبة أو خنزيرة حتى كبر لا يكره أكله لأن لحمه ←

پس آج کل جو بعض جگہوں پر مرغیوں کو خنزیر کا گوشت کھلایا جاتا ہے، یا بعض قسم کی مچھلیوں کو کتے وغیرہ کا گوشت غذاءً دیا جاتا ہے، تو فقہاء کی مذکورہ تصریح کے مطابق اس سے اس جانور میں حرمت پیدا نہ ہوگی، وہ حلال ہے۔ تاہم جب قطعی طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ وہی مرغی یا مچھلی ہے تو اس سے احتیاط اولیٰ و بہتر ہے۔

۶۴۲- **ضابطہ**: زندہ جانور کے بدن سے جو بھی حصہ کاٹا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے۔ (۱)

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے، گھر میں کوئی ایک مہمان آگیا تو چونکہ پورا ایک اونٹ یا بکرا اس کے لئے ذبح نہیں کیا جاسکتا، زائد ہوجائے گا، اس لئے جانور کے کوہان یا اس کے پیچھے سے چکتی کا ایک حصہ کاٹ کر پکالیتے تھے اور وہ بے چارہ بے زبان جانور یوں ہی تڑپتا رہ جاتا تھا۔ ظاہر ہے اس میں جانور پر ظلم کے ساتھ ذبح کی مصالح بھی فوت ہوتی ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے مذکورہ ایک عام حکم فرمایا جو ہر جانور سے متعلق ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جانور خواہ ماکول اللحم ہو مگر ذبح سے پہلے اس کا کوئی حصہ مثلاً گوشت، ہاتھ، کان وغیرہ کاٹا گیا تو وہ مردار شمار ہوگا، اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ (۲)

← لا يتغير بذلك. (الجوهرة النيرة: ۲/ ۱۸۶، كتاب الأضحية)

وينظر الفرق بين السمكة و بين الجلالة اهـ بأن تحمل السمكة على ما إذا لم تنتن ويرادبالجلالة المنتنة تأمل. (ردالمحتار: ۶/ ۳۰۷، كتاب الذبائح)

ولو أرسلت السمكة في الماء النجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال كذا في البزازية اهـ. وينظر الفرق بينها وبين الجلالة. (دررالحكام شرح غرر الأحكام: ۱/ ۲۸۱، آخر كتاب الذبائح)

(۱) ماقطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة (ترمذی: ۴/ ۷۴، ابو اب الأطعمة حديث: ۱۴۸۰، ابو داود: ۳/ ۱۱۱، كتاب الصيد، حديث: ۲۸۵۸)

(۲) (بذل المجهود شرح أبی داود: ۹/ ۲۳۷، كتاب الصيد)

تفریعات:

(۱) کوئی جانور ٹرین سے کٹ گیا تو اس کا علاحدہ ٹکڑا کھانا حلال نہ ہوگا، وہ مردار کے حکم میں ہے، البتہ اس کے سر والا حصہ اگر زندہ ہو تو فقط اس حصہ کو طریق معروفہ سے ذبح کر کے کھانا حلال ہے۔ (۱)

(۲) کتے، بلی یا بھیڑیے وغیرہ شکاری جانور سے مرغی یا بکری کو چھڑایا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اس میں بھی وہی تفصیل ہے، یعنی اس کا الگ شدہ عضو حرام ہے، باقی حصہ حلال ہے ذبح کے بعد اس کو کھایا جا سکتا ہے۔ (۲)

فائدہ: کوئی عضو یا گوشت الگ ہو کر صرف چمڑی پر اس طرح لٹک جائے کہ اب جڑ نہیں سکتا تو یہ بھی علاحدہ شمار ہوگا اور حرام ہوگا۔ (۳)

(۳) بسم اللہ پڑھ کر وحشی حلال جانور کا کسی دھار دار چیز سے شکار کیا، مگر اس کا کوئی عضو جدا ہو گیا تو وہ جداگانہ عضو حرام ہے اور شکار حلال ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ عضو الگ ہونے یا زخم کے بعد اس جانور کی زندگی حقیقتاً یا حکماً متصور ہو، حقیقتاً تو ظاہر ہے کہ اس میں زندگی کا قوام ہو اور حکماً یہ ہے کہ عضو الگ ہونے کے بعد اس

(۱-۲) ولو انتزع الذئب رأس الشاة وهي حية تحل بالذبح بين اللبة و اللحيين، قطع الذئب من ألية الشاة قطعة لا يؤكل المبان. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۱، كتاب الصيد)

شاة قطع الذئب أوداجها وهي حية لا تذكى لفوات محل الذبح، ولو انتزع رأسها وهي حية تحل بالذبح بين اللبة و اللحيين. (ردالمحتار: ۶/ ۳۰۸)

(۳) إلا أنه لم يبينه، فهذا على وجهين: إن كانت الإبانة على وجه تحتمل الإلتئام و الإندمال يؤكل كله، وإن كان على وجه لا يحتمل الإلتئام و الإندمال بأن تعلق المبان بجلدة كان ذلك بمنزلة ما قد بان منه. (المحيط البرهاني: ۶/ ۴۷، كتاب الصيد)

جانور کی سلامتی متوہم ہو جیسے ہاتھ الگ ہوا، کان الگ ہوا وغیرہ تو وہ عضو حرام اور جانور حلال ہے، ذبح کے بعد کھایا جا سکتا ہے، لیکن اگر جانور کی سلامتی متوہم نہ ہو جیسے سر نصف یا اس سے زیادہ کٹ گیا، یا درمیان سے جانور کے اس طرح دو ٹکڑے ہوئے کہ سر کی جانب والا حصہ نصف سے کم رہ گیا تو اب پورا جانور حلال ہے سر کی طرف والا حصہ بھی اور اس سے الگ ہونے والا حصہ بھی، کیونکہ جب اس میں حکماً زندگی متصور نہیں تھی تو یہ زندہ جانور سے الگ ہونے والا حصہ نہیں ہوا بلکہ اس طرح سے زخم لگنا ہی یہ ایک طرح سے ذبح شمار ہوگا، پس یہ ایسے ہو گیا جیسے جانور کو باقاعدہ ذبح کے بعد ابھی اس میں زندگی کے آثار موجود تھے کہ اس سے کسی عضو کو الگ کر دیا تو جیسے وہ حلال ہے یہ بھی حلال ہوگا، فرق صرف اتنا ہے کہ باقاعدہ ذبح کرنے میں ذبح اختیاری ہے اور شکار میں جبکہ اس میں زندگی متصور نہ رہے ذبح اضطراری کی صورت ہے، فافہم۔ (۱)

(۴) اگر فی الواقع ذبح اضطراری ہو۔ جیسے بوقت ذبح جانور بدک کر بھاگ کھڑا ہو اور ذبح اختیاری کا کوئی موقع نہ ملے تو بسم اللہ پڑھ کر چھری وغیرہ پھینک کر اس کو مار گرائے۔ تو اس میں بھی وہی پوری تفصیل ہے جو شکار میں ہے۔ (۲)

(۱-۲) وإذا رمى صيدا فقطع عضوا منه أكل الصيد لما بيناه ولا يؤكل العضو... ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: "ما أبين من الحي فهو ميت" ذكر الحي مطلقا فينصرف إلى الحي حقيقة وحكما، والعضو المبان بهذه الصفة؛ لأن المبان منه حي حقيقة لقيام الحياة فيه، وكذا حكما، لأنه تتوهم سلامته بعد هذه الجراحة ... والمبان من الحي صورة لا حكما يحل وذلك بأن يبقى في المبان منه حياة بقدر ما يكون في المذبوح فإنه حياة صورة لا حكما... فتتخرج عليه المسائل، فنقول: إذا قطع يدا أو رجلا أو فخذا أو ثلثه مما يلي القوائم أو أقل من نصف الرأس يحرم المبان ويحل المبان منه؛ لأنه يتوهم بقاء الحياة في الباقي ←

(۵) گردن کی طرف سے چھری پھیر کر جانور کو ذبح کیا یا جھٹکے سے اس کا سرتن سے جدا کردیا تو اگر ذبح کی چار رگیں: حلقوم، مری اور ودجین میں اکثر یعنی تین رگوں کے کٹنے سے پہلے جانور مرگیا تو وہ زخم سے مرنے والا شمار ہوگا اور کھانا حلال نہ ہوگا، کیونکہ ذبح پر قدرت کے وقت ان رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، اور اگر مذکورہ رگیں کٹ گئیں پھر مرا تو حلال ہے، تاہم یہ فعل مکروہ ہیں کہ یہ ذبح کے اصول کے خلاف ہے۔[۱]

علاج ومعالجہ کا بیان

۶۴۳- **ضابطہ**: دوا علاج واجب نہیں، اگر باوجود وسعت وقدرت کے مباح دوا نہ کرے تب بھی جائز ہے۔

تشریح: کیونکہ علاج پر شفاء مظنون ہے اور مظنون سے کوئی حکم وجوب یا حرمت کا ثابت نہیں ہوتا ـــــ برخلاف کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا چھوڑ دے یہاں تک کہ مرجائے تو وہ گنہ گار ہوگا، کیونکہ سدرمق کے بقدر- بلکہ عبادات وطاعات میں حرج نہ

← "ولو قده بنصفين أو قطعه أثلاثا والأكثر مما يلي العجز أو قطع نصف رأسه أو أكثر منه يحل المبان والمبان منه"؛ لأن المبان منه حي صورة لا حكما؛ إذ لا يتوهم بقاء الحياة بعد هذا الجرح. (الهداية: ۴/ ۴۰۹، كتاب الصيد)

بخلاف ما إذا أبين بذكاة الاختيار؛ لأن المبان منه ميت حكما. (تبيين الحقائق: ۶/ ۵۹، كتاب الصيد)

---

(۱) وإذا ذبحت شاة من قبل القفا فقطع الأكثر من هذه الأشياء قبل أن تموت حلت) لتمام فعل الذكاة، وإن ماتت قبل قطع الأكثر لم تحل؛ لأنها ماتت بالجرح لا بالذبح في المذبح، ولأنه لا يثبت الحل عند القدرة على الذبح في المذبح ويكره هذا الفعل لما فيه من زيادة إيلام غير محتاج إليه. قال (وكذلك إن ضربها بسيف فأبان رأسها حلت ريكره... ولكن يكره ذلك (المبسوط للسرخسي: ۱۲/ ۳، كتاب الذبائح)

ہو اس قدر کھانا فرض ہے- اور اس میں شفا متعین ہے، مظنون نہیں۔ (۱)

۶۴۴- **ضابطہ:** حرام اشیا (مثلاً شراب، پیشاب، عورت کا دودھ وغیرہ) سے علاج میں ضابطہ یہ ہے کہ: جب اس میں شفا کا ہونا- غالباً یا عادتاً- یقینی ہو اور اس کا کوئی متبادل بھی نہ ہو تو جائز ہے؛ ورنہ- یعنی جب شفا کا یقین نہ ہو یا اس کا کوئی متبادل موجود ہو- تو جائز نہیں۔ (۲)

۶۴۵- **ضابطہ:** عام حالات میں منع حمل تدابیر کا استعمال مرد و عورت کسی کے لئے جائز نہیں، خواہ وہ تدابیر عارضی ہوں یا مستقل۔ (۳)

---

(۱)... بخلاف التداوي ولو بغير محرم فإنه لو تركه حتى مات لا يأثم كما نصوا عليه لأنه مظنون كما قدمناه تأمل. (رد المحتار: ۳۸۹/۶، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

ولو مرض فترك المعالجة توكلا على الله فمات لم يمت عاصيا. (تحفة الملوك: ۲۷۲/۱)

فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة على الأكل حتى مات فإنه يأثم، والفرق: أن الأكل قدر قوته فيه شفاء يتعين، فإذا تركه صار مهلكاً نفسه، ولا كذلك المعالجة. (المحيط البرهاني: ۳۷۳/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات)

(۲) الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاء، وليس له دواء آخر غيره فيجوز الاستشفاء به. (المحيط البرهاني: ۳۷۳/۵ كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات؛ البناية شرح الهداية: ۲۷۱/۱۲، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، حكم التداوي)

(۳) ثم سألوه عن العزل؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي"، وهي: {وإذا الموءودة سئلت} (صحيح مسلم: ۴۶۶/۱، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة الخ)

البتہ ضرورت ومجبوری میں عارضی منع حمل تدابیر وادویہ کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے جائز ہے، جس کی چند صورتیں یہ ہیں:

۱- ماہر اطباء کی رائے میں ولادت کی صورت میں عورت کو نا قابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

۲- عورت اتنی کمزور ہو کہ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کو متحمل نہیں ہوسکتی اور حمل ہونے کی صورت میں اسے ضرر شدید لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

۳- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت اور نشونما میں ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہو—— تو مناسب وقفہ کرنا جائز ہوگا۔

اور جہاں تک مستقل ودائمی تدابیر کے استعمال کی بات ہے تو وہ مرد کے لئے کسی حال میں جائز نہیں، البتہ عورت کے لئے اس میں ایک استثنائی صورت ہے، وہ یہ کہ: ماہر قابل اعتماد ڈاکٹروں کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرادینا تاکہ استقرار حمل نہ ہوسکے بدرجہ مجبوری جائز ہے۔[1]

۶۴۶- **ضابطہ:** جان پڑنے کے بعد اسقاط حمل مطلقاً جائز نہیں، اس سے پہلے مجبوری کی بنا پر جائز ہے۔

تشریح: جان پڑنے کی مدت چار مہینے (۱۲۰/دن) ہے، کہ اس مدت کے بعد عموماً حمل میں جان پڑجاتی ہے پس اس مدت کے بعد کسی بھی حال میں اسقاط جائز نہ ہوگا ورنہ ایک زندہ انسان کا قتل لازم آئے گا—— بلکہ مذکورہ مدت سے پہلے بھی کچھ قرائن- مثلاً سونوگرافی وغیرہ سے- اگر بچہ میں جان پڑجانے کا غالب گمان بلکہ احتمال ہو تو اسقاط جائز نہ ہوگا۔

---

(۱) (مستفاد: ردالمحتار: ۳/۱۷۵-۱۷۶، کتاب النکاح، مطلب فی حکم العزل؛ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۷۵)

اور جان پڑنے سے پہلے کوئی واقعی مجبوری ہو تو اسقاط کی گنجائش ہے، جیسے حمل کو باقی رکھنے میں عورت کی جان کا؛ یا اس کے کسی عضو کے تلف ہونے کا؛ یا کسی بڑی بیماری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو؛ تو اسقاط کی گنجائش ہے ——— اور یہ اندیشہ ماہر قابل اعتماد مسلمان اطباء کے بتلانے سے یا خود کے ظن غالب سے پیدا ہوا ہو ——— اسی طرح عورت کا دودھ پیتا بچہ ہے اور حمل ٹھہر جانے سے اس کا دودھ منقطع ہو گیا جس سے بچے کی ہلاکت اندیشہ ہے اور صورت حال یہ ہے کہ کوئی دائی بھی میسر نہیں یا شوہر کو اس کی اجرت پر قدرت نہیں؛ یا عورت کو ایڈز وغیرہ مہلک بیماری لاحق ہے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا؛ یا پیدا ہونے والا بچہ بالکل اپاہج پیدا ہوگا، جو خاندان کے لئے ایک ناتواں بوجھ سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوگا؛ یا حمل زنا کا ہے جس میں ضیاع نسب کی قباحت کے ساتھ عورت کے لئے معاشرہ میں بدنامی یا کسی شورش کا اندیشہ ہے؛ تو ان سب صورتوں میں - جب کہ حمل میں ابھی جان نہیں پڑی - اسقاط کی گنجائش ہے۔ مگر معمولی چھوٹے چھوٹے عذر کی بنا پر اسقاط کی اجازت اس وقت بھی نہ ہوگی، کیونکہ اگرچہ حمل میں جان نہیں پڑی مگر انسان کا ایک جزو ہونے کی بنا پر اس کی حفاظت ضروری ہے، لہٰذا جب تک معقول عذر نہ ہو اس کو علاحدہ کرنا جائز نہیں۔

حاصل بیان: اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ حمل پر آنے والے مختلف مراحل ہوتے ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے: استقرار حمل کے بعد نطفہ ابتدائی ایام میں محض بستہ خون پھر گوشت کی شکل میں ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس میں روح اور زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں، اور پھر ایک جاندار بچے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس میں جوں جوں مراحل آگے بڑھتے جاتے ہیں اسقاط کی ممانعت اتنی ہی شدید ہوتی جاتی ہے، سب سے کم ممانعت ابتدائی حمل کے اسقاط میں ہے، پھر اس سے زیادہ اس حمل میں ہے جس کا کوئی عضو بن گیا ہو، پھر اس سے زیادہ جس میں

زندگی کے آثار بھی پیدا ہو گئے ہوں، ان میں آخری صورت ہر حال میں حرام ہے، اور پہلی دو صورتیں عذر معقول سے- جیسا کہ کچھ اعذار اوپر بیان ہوئے- جائز ہیں، بلا عذر جائز نہیں۔[۱]

۶۴۷- **ضابطہ**: انسان بجمیع اجزاء قابل احترام ہے: خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور زندہ ہو یا مردہ (پس اس کے کسی جزو سے انتفاع یا توہین جائز نہیں)[۲]

تفریعات:

(۱) پس طبی تجربہ کے لئے لاش چیرنا جائز نہیں، کہ یہ انسان کی تکریم و تعظیم کے منافی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "کسر عظم المیت ککسرہ حیاً" مرے ہوئے انسان کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔[۳]

(۲) کوئی شخص بلا قصد کسی کا موتی نگل لے اور پھر مر جائے تو پیٹ چاک کر کے موتی نکالنا درست نہیں (بلکہ میت نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس سے قیمت وصول کی جائے گی، ورنہ وہ آخرت میں ماخوذ ہوگا) کیونکہ حرمت مال سے حرمت نفس اعظم ہے۔

البتہ اگر قصداً نگل لیا تو صحیح یہ ہے کہ صاحب حق کے لئے اس کا پیٹ چاک کرنا

---

(۱) (مستفاد: ردالمحتار: ۶/۴۲۹، کتاب الحظر، آخر باب الاستبراء؛ امداد: ۴/۲۰۳ کتاب الحضر و الاباحة، احکام متعقه علاج؛ فتاوی محمودیہ: ۱۸/۳۲۱-۳۲۲، کتاب الحظر و الاباحة، باب التداوی و المعالجة؛ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۷۹)

(۲) الآدمی مکرم شرعا وإن کان کافراً والمراد تکریم صورته وخلقته، و کذا لم یجز کسر میت عظم کافر. (ردالمحتار: ۵/۵۸، باب البیع الفاسد)

الانتفاع بأجزاء الآدمی لایجوز قیل للنجاسة وقیل لنکرامة هو الصحیح، کذا فی جواهر الأخلاطی. (الفتاویٰ الهندیة: ۵/۳۵۴، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر)

(۳) (ابوداؤد شریف: ۳/۲۱۲، کتاب الجنائز، باب في الحفار یجد العظم الخ)

جائز ہے، کیونکہ اگر چہ حرمت انسان مال کے مقابلہ میں زیادہ ہے مگر یہاں اس نے خود تعدی کر کے اپنی حرمت کو پامال کیا۔[۱]

(۳) بچہ پیٹ میں زندہ ہوتو اس کو کاٹ کر نکالنا درست نہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے ماں کی موت امر موہوم ہے، اور امر موہوم کی بنا پر کسی کا قتل جائز نہیں، لیکن اگر مر گیا ہوتو کاٹنے میں حرج نہیں، بلکہ اخف البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے اس پر عمل ضروری ہے؛ اسی طرح عورت کی موت ہو جائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہوتو پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے گا۔[۲]

---

(۱) رجل ابتلع درة رجل فمات المبتلع فإن ترك مالا كانت قيمة الدرة في تركته وإن لم يترك مالا لا يشق بطنه لأن الشق حرام وحرمة النفس أعظم من حرمة المال وعليه قيمة الدرة لأنه استهلكها وهي ليست من ذوات الأمثال فكانت مضمونة بالقيمة فإن ظهر له مال في الدنيا قضى منه وإلا فهومأخوذ به في الآخرة. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۹، كتاب الاستحسان، قبيل كتاب البيوع)

ولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان، والأولى نعم فتح. (الدرالمختار)
(قوله: والأولى نعم) لأنه وإن كان حرمة الآدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه كما في الفتح، ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لا يشق اتفاقا. (ردالمحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الجنائز، مطلب فی دفن الميت)

(۲) (حامل ماتت وولدها حي) يضطرب (شق بطنها) من الأيسر (ويخرج ولدها) ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج ولو ميتا وإلا لا كما في كراهة الاختيار (الدر المختار) (قوله: ولو بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية (قوله قطع) أي بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته (قوله: لو ميتا) لا وجه له بعد قوله ولو بالعكس ط (قوله: وإلا لا) أي ولو كان حيا لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم، فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم. (ردالمحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الجنائز، مطلب فی دفن الميت)

اس میں (یعنی لاش چیرنے میں) اصولی بات یہ ہے کہ اگر مردہ انسان سے زیادہ قابل لحاظ شیء بغیر لاش چیرے فوت ہوتی ہو تب تو لاش کا چیرنا درست ہے ورنہ درست نہیں۔

(۴) عورت کا دودھ -سوائے بچہ کے ایام رضاع میں- پینا، یا اس کا خارجی استعمال، مثلاً: آنکھ میں یا کان میں ڈالنا جائز نہیں۔ [۱]

(۵) اسی طرح ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جائز نہیں کہ اس میں جزو انسانی سے انتفاع لازم آتا ہے، اور یہ اس کے احترام کے خلاف ہے [۲]؛ البتہ ان آخری دو صورتوں میں (یعنی دودھ اور خون میں) جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور جان بچنا دشوار ہو یا سخت بیماری مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ [۳]

---

(۱) ولم يبح الإرضاع بعد موته) لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية. وفي البحر: لا يجوز التداوي بالمحرم في ظاهر المذهب، أصله بول المأكول كما مر. (الدر المختار: ۳/ ۲۱۱ كتاب النكاح، باب الرضاع)

(۲) قوله :وإن حرم استعماله) أى استعمال جلده أو استعمال الآدمى بمعنى اجزاءه (الرد المحتار: ۱/ ۲۰۴، كتاب الطهارة، باب المياه)

(۳) اختلف في التداوي بالمحرم. وظاهر المذهب المنع كما في إرضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما خص الخمر للعطشان وعليه الفتوى. اهـ. ح (رد المحتار: ۳/ ۲۱۱ كتاب النكاح، باب الرضاع)

إن أهل الطب يثبتون نفعا للبن البنت للعين وهي من أفراد مسألة الانتفاع بالمحرم للتداوي كالخمر، واختار في النهاية والخانية الجواز إذا علم فيه الشفاء ولم يجد دواء غيره بحر. (رد المحتار: ۵/ ۷۱، باب البيع الفاسد)

(۶) کسی فوت شدہ یا زندہ انسان کا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں لگانا اور پیوند کاری کرنا جائز نہیں، اس کی وصیت بھی باطل اور نا قابل نفاذ ہے، کیونکہ اس میں انسانی تکریم کی ہتک ہے، نیز آدمی صرف اپنی ملک میں وصیت کا حق رکھتا ہے اوراس کا بدن اس کی ملک نہیں، یہاں تک زندگی میں کسی مضطر کے لئے اپنے گوشت کی پیش کش درست نہیں، بلکہ خود مضطر کے لئے بھی جائز نہیں کہ اپنے بدن کا گوشت کاٹ کر کھالے،[1] یہی وجہ ہے کہ شریعت میں خودکشی حرام ہے، اس لئے کہ کوئی شخص اپنی روح کا مالک نہیں ـــــ اوراس کو خون پر قیاس کرنا بھی درست نہیں کہ ضرورت شدیدہ کے وقت اس کی اجازت ہو کیونکہ خون نکالنے میں وہ تکلیف وزحمت نہیں جوان اعضاء کے نکالنے میں ہوتی ہے، نیز جسم سے خون نکالنا مثلہ نہیں اور نہ اس سے کوئی ظاہری عیب پیدا ہوتا ہے، برخلاف ان اعضاء سے علاج کے۔

آج کل کی تحقیق سے اس میں نفع کا انکار نہیں، مگر اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کے اصول پر ناجائز ہی ہوگا، فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''آج اس کے دل پر زید کی زندگی کو منحصر کردیا گیا ہے، کل کو کہا جائے گا کہ اس کے گوشت کھانے پر زندگی موقوف ہے، لہٰذا اس کا گوشت ڈبہ مین بند کرکے ہسپتال میں محفوظ رکھا جائے، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کا حال بھی گائے بکری کی طرح ہوکر ثُمَّ رَدَدْنَا اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ کا ایک نمونہ بن جائے گا'' اھ[2] ـــــ پھر یہ بھی خیال رہے کہ جس کا گردہ وغیرہ لیا جائے گا اس کی صحت وزندگی خطرہ میں پڑے گی اور جس کو دیا جائے گا اس کی صحت بھی یقینی

(۱) مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي و كلها أو قال اقطع مني قطعة و كلها لا يسعه أن يفعل ذلك، و لا يصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعة من نفسه فيأكل، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية: ۵/۳۳۸، كتاب الكراهية، الباب الحادی عشر)

(۲) (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۳۵، كتاب الحظر و الاباحة، باب التداوی و المعالجة)

نہیں، اگر عارضی صحت ہو بھی جائے تو اس میں موجود مہلک مرض جس نے اس کے عضو کو خراب کیا تھا بہت جلد اس پیوند شدہ عضو کا بھی یہ حال کردے گا اور دیگر امراض انفیکشن وغیرہ تو مستزاد۔

ملحوظہ: یہ حکم متقدمین فقہاء اور ہمارے ماضی قریب کے عام اکابر کے نزدیک ہے اور اکثر دارالافتاؤں کا فتوی اب بھی یہی ہے، البتہ فی زمانہ بعض علماء و مفتیان کرام نے اس میں مندرجہ ذیل چند شرائط کے ساتھ اعضاء کی پیوند کاری میں گنجائش دی ہے:

۱- عضو کو دینے میں اس شخص کی طبعی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچے جو اسے دے رہا ہے۔

۲- عضو دینے کا عمل عضو دینے والے کی طرف سے رضا کارانہ اور بغیر کسی دباؤ کے ہو۔

۳- ضرورت مند مریض اس حال میں پہنچ جائے کہ اگر اس کا خراب عضو نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہو اور عضو کی پیوند کاری ہی طبی نقطۂ نظر سے تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

۴- عضو لینے یا لگانے کے عمل کی کامیابی غالبا یا عادتا یقینی ہو۔

ان شرائط کے ساتھ ان حضرات کے نزدیک عضو کی پیوند کاری جائز ہے، ان میں کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو جائز نہیں۔ (۱)

فائدہ: یہ تو مریض کے جسم میں دوسرے انسان کا کوئی عضو لگانے کی بات تھی، لیکن اگر مریض کے جسم کا کوئی حصہ نکال کر اسی کے بدن کے دوسرے حصہ میں لگایا جائے مثلاً اس کے پیر وغیرہ سے رگیں نکال کر اس کے دل میں جوڑ دی جائیں- جیسا کہ بائی پاس سرجری میں کیا جاتا ہے- تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں (۲) —— اسی طرح حلال جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی جائز ہے، بلکہ

(۱) (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے)

(۲) وإعادة جزء منفصل إلى مكانه ليلتئم جائز كما إذا قطع شيء من عضوه ←

بوقت ضرورت-سوائے خنزیر کے- تمام غیر ماکول اللحم جانوروں یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی بلا خلاف جائز ہے۔(۱)

۶۴۸- **ضابطہ**: اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیز میں تغییر وتبدیل کی ممانعت کا مفہوم یہ ہے کہ: جس جاندار کو اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے مطابق بنایا ہے اس میں تبدیلی نہ کی جائے (یہ مقصد نہیں کہ جو جاندار اللہ تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف پیدا کیا گیا ہو-مثلاً عورت کی ڈاڑھی یا مونچھ نکل آئے یا کسی کا کوئی عضو زائد بنا ہو-تو اس کی بھی اصلاح کر کے عام عادت ومعمول کے مطابق نہ بنایا جائے، بلکہ ایسی تغییر وتبدیل ممنوع نہیں)(۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی کے دانت ایک قطار میں نہ ہوں بلکہ کچھ اوپر نیچے اور کچھ دائیں بائیں کی طرف اس طرح نکلے ہوئے ہوں کہ بدنما اور عیب دار معلوم ہوتے ہوں تو (Braces) یعنی دانتوں کے اوزار لگوا کر سیدھے ایک لائن میں کرانا جائز ہے۔

← فأعاده إلى مكانه...والثاني أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانة بذلك الغير والآدمي بجميع أجزائه مكرم ولا إهانة في استعمال جزء نفسه في الإعادة إلى مكانه. (بدائع الصنائع: ۵/۱۳۳، كتاب البيوع، بيان ركن البيع)

---

(۱) قال محمد في السير الكبير لا بأس بالتداوي بالعظم إذا كان عظم شاة أو بقر أو بعير أو فرس أو غيره من الدواب إلا عظم الخنزير والآدمي فإنه لا يمكن التداوي بهما ولا فرق فيما يجوز بين أن تكون ذكيا أو ميتا رطبا أو يابسا. (البحر الرائق: ۸/۲۳۳، كتاب الكراهية، فصل في البيع)

(۲) فان الظاهر ان المراد بتغيير خلق الله ان ما خلقه الله سبحانه وتعالى حيوانا على صورته المعتادة لا يغير فيه، لا ان ما خلق على خلاف العادة مثلاً كاللحية للنساء او العضو الزائد فليس تغييره تغيير الخلق الله (بذل المجهود: ۶/۷۳، كتاب اللباس)

(۲) خوبصورتی کی غرض سے دانتوں میں جھریاں اور ان کے درمیان خلا پیدا کرنا ممنوع ہے، حدیث شریف میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے — البتہ علاج یا کسی عیب کے ازالہ کی نیت ہو تو اس میں حرج نہیں، جن عورتوں پر اس سلسلہ میں لعنت وارد ہوئی ہے وہ دو مقصد کے لئے ایسا کرتی تھیں، اول: خوبصورتی کی غرض سے؛ دوم: کم عمر نظر آنے یا خود کو کم عمر ظاہر کرنے کی غرض سے؛ ظاہر ہے ان کے اس فعل میں خودنمائی، نمائش اور ریاکاری کے علاوہ فطرت عامہ سے اعراض تھا، نیز دھوکے کا پہلو بھی تھا، اس لئے لعنت وارد ہوئی، لیکن جس عورت کو اس فعل میں واقعی علاج یا کسی عیب و نقص کا ازالہ مقصود ہو، مذکورہ غلط نیت نہ ہو، تو وہ اس حدیث کی مصداق نہ ہوگی، جیسا کہ عام شراح حدیث نے اس بات کو صراحتاً ذکر کیا ہے۔ (۱)

(۳) جوان آدمی کا سفید بال چننا جائز ہے، کیونکہ قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا ایک عیب ہے، اور ازالہ عیب جائز ہے؛ رہا حدیث شریف میں ممانعت کا مصداق تو وہ شخص ہے جو بڑی عمر میں تزیین یا تزویر کے لئے ایسا کرے، کہ اس میں عام عادت سے اعراض ہو کر تغییر خلق لازم آتا ہے، برخلاف خضاب کے کہ یہ ہر عمر میں جائز ہے کیونکہ اس میں دیکھنے والے پر تغییر خلق نظر نہیں آتا، اسی لئے کالے رنگ کے خضاب سے منع کیا گیا کہ اس میں تزویر کا پہلو نمایاں ہے۔ (۲)

---

(۱) قوله المتفلجات ... جمع المتفلجة وهي التي تفرق مابين ثناياها بالمبرد اظهارا للصغر وهي عجوز لان هذه الفرجة اللطيفة تكون للصغار غالباً وذالك حرام للحسن اى لاجل الحسن لمافيه من التزوير فلو احتاجت اليه او عيب فى السن فلا. (حاشية البخارى: ۲/۷۲۵، كتاب التفسير، سورة الحشر، وهكذا فى فتح البارى: ۱/۳۸۵، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن؛ وعمدة القارى: ۲۲/۶۳، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن؛ ومرقاة المفاتيح: ۸/۲۹۵، كتاب اللباس، باب الترجل)

(۲) ولا بأس بنتف الشيب (الدر المختار) وقال ابن عابدين رحمه الله ←

(۴) جسم میں کوئی ایسا عیب ہو جو عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اس عیب کا ازالہ جائز ہے۔ (۱)

(۵) حالت اضطرار میں: یعنی چمڑی نہ بدلنے کی صورت میں شدید تکلیف یا زحمت کا سامنا ہو اور کوئی متبادل صورت نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی پلاسٹک سرجری کی اجازت ہے۔ (۲)

(۶) محض خوبصورتی بڑھانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔ (۳)

(۷) درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی کھال میں جو تغیر آتا ہے جیسے جھریاں وغیرہ تو ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرنا جائز نہیں۔ (۴)

← تعالیٰ: (قوله ولا بأس بنتف الشيب) قيده في البزازية بأن لا يكون على وجه التزين. (ردالمحتار: ۴۰۷/۶، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

قال بعض العلماء: لا يكره نتف الشيب إلا على وجه التزين. وقال ابن العربي: وإنما نهى عن النتف دون الخضب؛ لأن فيه تغيير الخلقة من أصلها بخلاف الخضب، فإنه لا يغير الخلقة على الناظر إليه، والله الموفق. (مرقاة المفاتيح: ۲۸۳۰/۷، کتاب اللباس، باب الترجل)

(۱ - ۲) عن عبد الرحمن بن طرفة، أن جده عرفجة بن أسعد، قطع أنفه يوم الكلاب، فاتخذ أنفا من ورق، فأنتن عليه، فأمره النبي صلى الله عليه وسلم، فاتخذ أنفا من ذهب. (سنن ابی داود: ۹۲/۴ حدیث: ۴۲۳۲، کتاب الخاتم، باب ما جاء في ربط الأسنان بالذهب)

وإعادة جزء منفصل إلى مكانه ليلتئم جائز كما إذا قطع شيء من عضوه فأعاده إلى مكانه... والثاني أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانة بذلك الغير والآدمي بجميع أجزائه مكرم ولا إهانة في استعمال جزء نفسه في الإعادة إلى مكانه. (بدائع الصنائع: ۱۳۳/۵، کتاب البیوع، بیان رکن البیع) ←

(۸) اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں (سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے)[1]

عملیات وتعویذات کا بیان

۶۴۹- **ضابطه**: جس تعویذ یا سحر میں ایسا کوئی عمل یا اعتقاد اختیار کیا جائے جس سے ایمان پر زد پڑتی ہو اس کا سیکھنا یا کرنا یا دوسرے سے کرانا کفر ہے — اور جس میں اعتقاد کا فساد تو نہ ہو مگر اس میں کسی انسان کو بلا وجہ شرعی تکلیف پہنچانا ہو یا اس کو مسخر کرنا ہو تو فسق کبیرا اور فساد فی الارض ہے؛ اور دفع ظلم کے لئے ہو تو جائز ہے؛ اور اہل حرب کے ساحر کے رد کے لئے ہو تو فرض کفایہ ہے۔[2]

← (۳-۴) عن علقمة، قال عبد الله: لعن الله الواشمات والمستوشمات، والمتنمصات، والمتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله تعالى، مالي لا ألعن من لعن النبي صلى الله عليه وسلم، وهو في كتاب الله: {وما آتاكم الرسول فخذوه} [الحشر: ۷] (صحيح البخارى: ۷/۱۶۴ حديث: ۵۹۳۱، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن)

(۱) (وجهه ظاهر)

(۲) قال الشيخ المنصور الماتريدى: القول بان السحر كفر على الاطلاق خطاء، بل يجب المبحث عنه، فان كان فى ذالك رد مالزمه فى شرط الايمان فهو كفر، و الافلا، فلو فعل مافيه هلاك انسان او مرضه او تفريق بينه و بين امراته وهو غير منكر لشى من شرائط الايمان، لايكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً فى الارض بالفساد. (شرح فقه اكبر: ۱۴۵، السحر والعين حق)

الرضا بالكفر كفر (البحر الرائق: ۵/۱۲۴، كتاب السير، باب العشر و الخراج فصل فى الجزية)

وفي ذخيرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر أهل الحرب.. الخ (ردالمحتار: ←

تفریع: پس شوہر کو مسخر کرنے (قابو میں کرنے) کے لئے عورت کا کوئی عمل کرنا یا کرانا حرام ہے، البتہ محض دفع ظلم کے لئے کوئی پاک عمل کرے تو جائز ہے۔ (۱)

۶۵۰- **ضابطہ**: غیر مسلم کے ذریعہ سحر کے دفعیہ میں ضابطہ یہ ہے کہ: اس کے سوا کوئی کارگر علاج نہ ہو، اور مریض کو کوئی نجس اور حرام چیز کھانی نہ پڑے، اور نہ شرکیہ و کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنے پڑے، بلکہ وہ غیر مسلم خود ہی اپنے عمل کے ذریعہ سحر کو دفع کرے تو بدرجہ مجبوری اس سے علاج کی گنجائش ہے، ورنہ (یعنی ان میں کوئی شرط مفقود ہو تو) جائز نہیں۔ (۲)

۶۵۱- **ضابطہ**: جنات کو قید کرنے اور جلانے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر جنات کا اثر ان کو جلائے بغیر زائل ہو سکتا ہے مثلاً دم کرنے، دعا کرنے، یا ڈرانے دھمکانے سے تو قتل کرنا اور جلانا جائز نہیں، لیکن وہ ان طریقوں سے نہ جائے تو پھر قتل کرنا اور جلانا جائز ہے۔ (۳)

← ۱/۴۴، مقدمۃ الکتاب)

امرأة أرادت أن تضع تعويذا ليحبها زوجها ذكر في الجامع الصغير: أن ذلك حرام لا يحل. (ردالمحتار: ۶/۳۶۴، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی النظر والمس)

---

(۱) (امدادالفتاوی: ۴/۸۹، کتاب الحظر والإباحۃ، تعویذات وعملیات؛ فتاوی رحیمیہ: ۱۰/۱۸۱، کتاب الحظر والإباحۃ)

(۲) (ماخوذ: فتاوی رحیمیہ: ۱۰/۱۶۸، کتاب الحظر والإباحۃ، فتاوی محمودیہ: ۲۰/۵۳، کتاب الحظر والإباحۃ- وفي ذخيرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر أهل الحرب. الخ (ردالمحتار: ۱/۴۴، مقدمۃ الکتاب)

(۳) يستحب وقد يجب أن يذب عن المظلوم وأن ينصر فإن نصر المظلوم مأمور به بحسب الامكان وإذا برئ المصاب بالدعاء والذكر وأمر الجن ونهيهم وانتهارهم وسبهم ولعنهم ونحو ذلك من الكلام حصل المقصود وإن كان ←

فائدہ: جنات کو جلانے کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو درست ہے، بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت لکھ دیں کہ اگر نہ جائے تو جل جائے''۔ (۱)

۶۵۲- **ضابطہ**: چور اور گم شدہ چیز معلوم کرنے کے لئے منتر اور ٹوٹکے شرعاً حجت نہیں اور نہ قابل اعتماد ہیں ـــــ البتہ محض اس غرض سے کرنا کہ چور خوف کر کے سرقہ دے دیوے درست ہے۔ (۲)

فائدہ: اس سلسلہ میں امداد الفتاویٰ میں بیان کردہ کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''یہ (چور کو معلوم کرنے کا عمل) یقین یا ظن غالب پیدا کرنے کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ جس کا اس طرح سے پتہ لگے اس کا تفحُص (تفتیش) بطریق شرع کرے، لیکن عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں، پھر آگے تتمہ کے حوالہ سے ہے ''میرے نزدیک یہ بالکل ناجائز ہے، اس لئے کہ عوام حد تفحُص سے آگے بڑھ جاتے ہیں''۔ (۳)

۶۵۳- **ضابطہ**: خون یا کسی نجس چیز سے آیات قرآنی یا اسماء الٰہی وغیرہ لکھنا جائز نہیں، حرام ہے۔ (۴)

← ذلك يتضمن مرض طائفة من الجن أو موتهم فهم الظالمون لأنفسهم إذا كان الراقي الداعي المعالج لم يتعد عليهم كما يتعدى عليهم كثير من أهل العزائم فيأمرون بقتل من لا يجوز قتله... فحاصل ذلك أنه متى حصل المقصود بالأهون لا يصار إلى ما فوقه ومتى احتيج إلى الضرب وما هو أشد منه صير إليه ومن قتل الصائل من الجن قتل عائشة رضي الله عنها الجني الذي كان لا يزال يطلع في بيتها الخ. (آكام المرجان في أحكام الجان: ۱/۱۶۲-۱۶۳)

(۱) (امداد الفتاویٰ: ۴/۸۸-۸۹، کتاب الحظر و الاباحۃ)

(۲) (فتاویٰ رشیدیۃ: ۲۲۲) (۳) (امداد الفتاویٰ: ۴/۸۸، کتاب الحظر و الإباحۃ)

(۴) اتفق العلماء على أن الدم حرام نجس، لا يؤكل ولا ينتفع به. (احکام القرآن لابن العربي: ۱/۵۳)

استدراک: بعض کتب میں بوقت ضرورت جواس کی گنجائش مذکور ہے، تواس کے متعلق کفایت المفتی میں ہے: "یہ حکم جواز مرجوح ہے اوراس حکم کا مبنیٰ ضرورت علاج ہے، جیسے کہ دوسری دوا میسر نہ ہوسکے اور علاج سے مایوسی ہوجانے اور شفا شراب میں بقول طبیب حاذق منحصر ہوجانے کی شرب شراب جائز ہے، مگر یہ واضح رہے کہ حکم جواز کتابت مرجوح اور ضعیف ہے" اھ (۱)

۶۵۴- **ضابطہ**: جس رقیہ میں کلمات کفر ہوں یا ایسے کلمات ہوں جس کے معنیٰ معلوم نہ ہوں وہ جائز نہیں؛ اور جس میں آیات قرآنیہ، یا اسماء الٰہیہ، یا ادعیہٴ ماثورہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

استدارک: خیال رہے، اوپر غیر مسلم سے دفع سحر کا جو جواز مذکور ہے، وہ بدرجہ مجبوری، اور اس وقت ہے جبکہ مریض کو خود کچھ پڑھنا یا کرنا نہ پڑے۔

فائدہ: احسن الفتاویٰ میں ہے: "جواز تمیمہ کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) لغت مفہومہ میں ہو۔

(۲) ماثور و منقول ہو۔

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو (بلکہ یہ اعتقاد ہو کہ نافع بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تعویذ صرف ایک ذریعہ علاج ہے)

پس حساب ابجد سے تعویذ لکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی لغت مفہومہ ہے" اھ (۳)

---

(۱) (كفايت المفتي: ۹/ ۷۶، كتاب الحضر و الإباحة)

(۲) ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالى... قالوا: إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به.

(ردالمحتار: ۶/ ۳۶۳، كتاب الحضر و الإباحة، فصل في اللبس)

(۳) (احسن الفتاوىٰ: ۸/ ۲۵۶، متفرقات الحظر و الإباحة)

سلام قیام اور تقبیل کا بیان

۶۵۵-**ضابطہ**: کافر کو سلام کرنا تعظیماً ہوتو کفر ہے؛ تحیہ (دعا) کے طور پر ہوتو جائز نہیں؛ اور کسی حاجت سے ہوتو جائز ہے، مگر السلام من اتبع الهدی کہے۔

فائدہ: اور کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے، مگر جواب میں صرف وعلیک یا هداک الله الاسلام کہے۔(۱)

اور وعلیک کہنے میں بھی بہتر یہ ہے کہ اس وقت اس سے گناہ اور کفر سے سلامتی کو مراد لیا جائے۔(۲)

۶۵۶-**ضابطہ**: علانیہ فسق میں مبتلا شخص اور بدعتی وغیرہ کو جب تک توبہ نہ کرے سلام کرنا مکروہ ہے؛ مگر جواب دینا بہر حال ضروری ہے (کہ جواب میں

(۱-۲) ويسلم المسلم على أهل الذمة لو له حاجة إليه وإلا كره هو الصحيح ... ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله وعليك كما في الخانية، ولو سلم على الذمي تبجيلا يكفر لأن تبجيل الكافر كفر. (الدر المختار)

لكن في الشرعة إذا سلم على أهل الذمة فليقل: السلام على من اتبع الهدى وكذلك يكتب في الكتاب إليهم اهـ. وفي التتارخانية قال محمد: إذا كتبت إلى يهودي أو نصراني في حاجة فاكتب السلام على من اتبع الهدى اهـ. (قوله لو له حاجة إليه) أي إلى الذمي المفهوم من المقام، قال في التتارخانية: لأن النهي عن السلام لتوقيره ولا توقير إذا كان السلام لحاجة...(قوله فلا بأس بالرد) المتبادر منه أن الأولى عدمه ط لكن في التتارخانية، وإذا سلم أهل الذمة ينبغي أن يرد عليهم الجواب وبه نأخذ. (ردالمحتار: ۶/ ۴۱۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع)

تکریم کا پہلو نہیں اور یہ حق مسلم ہے)[۱]

ملحوظہ: البتہ کسی فاسق سے جان پہچان ہو تو سلام کر لینا چاہئے، کہ ایسی صورت میں سلام نہ کرنے میں خود کی طرف کبر کا گمان ہونے کے ساتھ اس کو دین و دینداروں سے مزید متنفر کرنے کا باعث ہے۔[۲]

۶۵۷- **ضابطہ:** ہر وہ شخص جو حقیقتاً یا شرعاً سلام سے عاجز ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

تشریح: حقیقۃً عاجز ہونا یہ ہے کہ وہ کھانے پینے میں مشغول ہو؛ اور شرعاً عاجز ہونا یہ ہے کہ وہ نماز، ذکر، تلاوت، اذان، اقامت یا علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔

فائدہ: فقہاء نے کچھ اور مواقع بھی ذکر کئے جن میں سلام کرنا مکروہ ہے:

۱- قاضی کا مجلس قضاء میں خصمین کو سلام کرنا۔

۲- برہنہ شخص کو سلام کرنا۔

---

(۱) ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا وإلا لا.(الدر المختار)وفي فصول العلامي: ولا یسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغي؛ ولا علی من یسب الناس أو ینظر وجوہ الأجنبیات، ولا علی الفاسق المعلن، ولا علی من یغني أو یطیر الحمام مالم تعرف توبتھم. (ردالمحتار: ۱/۶۱۸، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا)

وفی کتاب الصلوۃ: وینبغي وجوب الرد علی الفاسق لأن کراھة السلام علیه للزجر فلا تنافي الوجوب علیه تأمل.(ردالمحتار: ۶/۴۱۵، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع)

(۲)واختلف في السلام علی الفساق في الأصح أنه لا یبدأ بالسلام، کذا في التمرتاشي.ولو کان له جیران سفھاء إن سالمھم یترکون الشر حیاء منه، وإن أظھر خشونة یزیدون الفواحش یعذر في ھذہ المسالمة ظاھرا، کذا في القنیة في المتفرقات. (الفتاوی الھندیة: ۵/۳۲۶، کتاالکراھیة، الباب السابع)

۳- پیشاب پاخانہ میں مشغول شخص کوسلام کرنا۔

۴- نامحرم عورت کوسلام کرنا۔

۵- بیوی کے ساتھ مشغول شخص کوسلام کرنا۔

۶- شطرنج تاج وغیرہ لغویات میں مشغول شخص کوسلام کرنا۔ (۱)

۶۵۸- **ضابطہ**: ہر وہ موقع ومحل جس میں سلام مشروع نہیں، اس میں اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس ریڈیو، ٹی وی پر سلام کا جواب واجب نہیں، اس لئے کہ یہ سلام سنت کے خلاف اور بے موقع ہے۔ (۳)

(۲) وعظ وتقریر اور کسی امر کی عام اشاعت اور اعلان سے قبل بھی سلام حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطبات ماثورہ ہیں مگر ان سے قبل سلام کہیں منقول نہیں، پس اس وقت کے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔ (۴)

(۳) اسی طرح اس سے اوپر کے ضابطہ میں ذکر کردہ تمام مواقع میں سلام کا جواب واجب نہیں۔

۶۵۹- **ضابطہ**: جہاں آواز پہنچانا مشکل ہو (جیسے بہرے شخص کو یا دور واقع شخص کو) وہاں ہاتھ کے اشارے سے سلام جائز ہے، اور جواب واجب ہے؛ اور جہاں آواز پہنچ سکتی ہو وہاں فقط اشارے سے سلام جائز نہیں (البتہ زبان سے کہنے کے ساتھ

(۱) (مستفاد: الدر المختار: ۱/۶۱۶، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها)

(۲) كل محل لايشرع فيه السلام لايجب الرد. (ردالمحتار: ۱/۶۱۸، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها)

(۳،۴) (ماخوذ: احسن الفتاوى: ۸/۱۳۷، كتاب الحظر و الإباحة)

ہاتھ سے اشارہ کرے تو جائز ہے کہ اس وقت یہ اشارہ مصافحہ کے قائم مقام ہوگا)[۱]

انتباہ: ہاتھ کے اشارہ سے مراد پیشانی پر ہاتھ رکھنا نہیں، بلکہ مطلق ہاتھ اٹھانا ہے، کیونکہ بوقت سلام پیشانی پر ہاتھ رکھنا ہمارے یہاں ہندوؤں کا شعار ہے اور سجدہ کے قائم مقام ہے۔

اسی طرح سلام کے وقت جھکنا بھی جائز نہیں کہ یہ مجوس کا طریقہ ہے، و من تشبه بقوم فهو منهم.[۲]

---

(۱)فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع، وتسليم النصارى الإشارة بالأكف ... والمعنى لاتشبهوا بهم جميعاً في جميع أفعالهم خصوصاً في هاتين الخصلتين، ولعلهم كانوا يكتفون في السلام أو ردّه أو فيهما بالإشارتين من غير نطق بلفظ السلام الذي هو سنة آدم وذريته من الأنبياء والأولياء. (التعليق الممجد على هامش موطأ الإمام محمد، ص: ۳۷۵)

...قلت: على تقدير عدم تلفظه عليه السلام بالسلام لا محذور فيه؛ لأنه ما شرع السلام على من مر على جماعة من النسوان... على أنه قد يراد بالإشارة مجرد التواضع من غير قصد السلام، وقد يحمل على أنه لبيان الجواز بالنسبة إلى النساء، وأن نهي التشبه محمول على الكراهة لا على التحريم والله أعلم. (مرقاة المفاتيح: ۷/ ۲۹۴۶، كتاب الأدب، باب السلام)

ولو كان السلام على أصم فينبغي الإشارة مع التلفظ ليحصل الإفهام، وإلا فلا يستحق جوابا، وكذا إذا سلم عليه الأصم وأراد الرد عليه فيتلفظ باللسان، ويشير بالجواب. ولو سلم على الأخرس فأشار الأخرس باليد سقط عنه الفرض، وكذا لو سلم عليه أخرس بالإشارة استحق الجواب. (عمدة القارى: ۲۲/ ۲۳۰، كتاب الأدب، باب بدء السلام)

(۲)وفي القهستاني: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود، وفي العمادية: ويكره الانحناء، لأنه يشبه فعل المجوس. (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۴۲، كتاب الكراهية، فصل في أحكام النظر واللمس)

۶۶۰-**ضابطہ**: ہر وہ لفظ جو غیروں کے ہاں مخصوص مذہبی ہو جیسے نمستے، رام رام، بابا ستارام، جی جینندر وغیرہ اس کو بولنا جائز نہیں اور جو مذہبی نہ ہو بلکہ معاشرتی ہو جیسے آداب، آداب عرض ہے، گوڈ مورننگ وغیرہ وہ جائز ہے، مگر خلاف سنت ہے (سنت صرف السلام علیکم الخ کہنا ہے)[1]

۶۶۱-**ضابطہ**: خالی مکان، دکان، درسگاہ، یا مسجد وغیرہ میں داخل ہوتے وقت جہاں کوئی موجود نہ ہو، اس طرح سلام کرے: السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین (ترجمہ: سلامتی ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر)[2]

تشریح: کیونکہ سلام صرف کلمۂ ملاقات ہی نہیں، بلکہ ایک دعاء ہے، پس اس وقت وہاں موجود فرشتوں اور نیک جنات کے ساتھ معہود فی الذہن عام نیک انسانوں کی نیت کرے۔

۶۶۲-**ضابطہ**: والدین یا بزرگان دین کے ہاتھ، وغیرہ کو تعظیما یا تبرکا بوسہ دینا جائز ہے۔[3]

ملحوظہ: بعض حضرات نے تقبیل یدین کو ناجائز کہا ہے، اور اس کی وجہ انحناء (جھکنا)

---

(۱) (فتاوی رحیمیة، حاشیة ملخصاً: ۱۰/۱۲۶، حاشیہ: از حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم)

(۲) إذا دخل الرجل في بيته يسلم على أهل بيته، وإن لم يكن في البيت أحد يقول: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، كذا في المحيط. ويسلم في كل دخلة، كذا في التتارخانية نقلا عن الصيرفية. (هندية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع)

(۳) (قوله وأما على وجه البر فجائز عند الكل) قال الإمام العيني بعد كلام فعلم إباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح كما علم من الأحاديث المتقدمة إباحتها على الجبهة، وبين العينين وعلى الشفتين على وجه المبرة والإكرام اهـ (ردالمحتار: ۶/۴۱۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

بیان کیا ہے، مگر جواہر الفقہ، اور احسن الفتاویٰ میں تفصیل کے ساتھ یہ تحقیق بیان کی گئی ہے کہ: ''انحناء وہ مکروہ ہے جو مستقلاً ومقصوداً ہو جو انحناء تقبیل کے تابع ہو بطور مقصود نہ ہو، اس میں حرج نہیں؛ تاہم فقہاء سداً للباب عوام کے غلو وغیرہ کچھ مفاسد کی وجہ سے اس سے منع کرتے ہیں، ورنہ یہ اپنے اصل کے لحاظ سے جائز ہے'' اھ۔[1]

۶۶۳- **ضابطہ**: ہر اس شخص کی آمد پر تعظیماً قیام جائز بلکہ مستحسن ہے جو قیام کا مستحق ہو اور قیام اس کے دل کی خواہش نہ ہو؛ اگر وہ مستحق نہ ہو، یا اس کے دل کی خواہش ہو، یعنی اس کو اس سے خوشی ہوتی ہو بلکہ بوجہ تکبر اس کا خواہاں ہو تو اس کے لئے قیام جائز نہیں۔[2]

تشریح: مستحق قیام: وہ شخص ہے جو بر بنائے فضائل دینیہ قابل تعظیم ہو، جیسے استاذ، شیخ طریقت، عالم کبیر، مبلغ عظیم وغیرہ؛ یا بحیثیت پیشوا یا سردار کے قابل احترام ہو، جیسے والد، مہتمم، منتظم، امام عادل وغیرہ۔

اور کون قیام کا خواہاں ہے اور کون نہیں؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ جو شخص قیام نہ کرنے سے ناراضگی کا اظہار کرے: بشکل عتاب، یا شکایت تو وہ خواہاں ہے اس کے

---

(۱) (دیکھئے: جواہر الفقہ: ۱/۵۲۹؛ احسن الفتاویٰ: ۱/۳۹۶)

(۲) عن معاوية رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ''من سره أن يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار''. (سنن الترمذی: ۵/۹۰، حديث: ۲۷۵۵، أبواب الأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل)

وقال البيهقي القيام على وجه البر والإكرام جائز كقيام الأنصار لسعد وطلحة لكعب ولا ينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلك حتى إن ترك القيام له حنق عليه أو عاتبه أو شكاه. (فتح الباری لابن حجر: ۱۱/۵۲، كتاب الاستيذان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم قوموا إلى سيدكم)

لئے قیام جائز نہیں، اور جو ایسا نہ ہو اس کے لئے جائز ہے۔

البتہ کسی کے شر سے بچنے کے لئے -باوجودیکہ وہ قیام کا خواہاں ہو یا مستحق قیام نہ ہو- قیام جائز ہے ـــــ اور برعکس صورت ہو یعنی باوجود مستحق قیام کے اس کو قیام سے اذیت ہوتی ہو اور وہ منع کرے تو اذیت سے بچانا واجب ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو قیام سے منع فرمادیا تھا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا، پھر اس کے بعد جب بھی آپ ﷺ تشریف لاتے تو ناگواری کا لحاظ رکھتے ہوئے صحابہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ (۱)

تصویر اور فوٹو کا بیان

۶۶۴- **ضابطہ**: ہر جاندار کی تصویر بنانا: خواہ وہ جاندار چھوٹا ہو یا بڑا ہو؛ اور تصویر خواہ دیوار پر بنائی جائے، یا کاغذ، کپڑے وغیرہ پر؛ اور چاہے قلم سے بنائی جائے یا سانچہ، مشین، کیمرہ، موبائل وغیرہ سے؛ اور خواہ یک دم بنالیا جائے یا ایک ایک عضو

(۱) عن الشيخ الحكيم أبي القاسم كان إذا دخل عليه غني يقوم له ويعظمه، ولا يقوم للفقراء وطلبة العلم فقيل له في ذلك، فقال الغني يتوقع مني التعظيم، فلو تركته لتضرر والفقراء والطلبة إنما يطمعون في جواب السلام والكلام معهم في العلم. (ردالمحتار: ۳۸۴/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره)

عن أبي أمامة، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متوكئا على عصا فقمنا إليه فقال: لا تقوموا كما تقوم الأعاجم، يعظم بعضها بعضا. (سنن أبي داؤد: ۳۵۸/۴، حديث: ۵۲۳۰، كتاب الأدب، باب في قيام الرجل للرجل)

عن أنس، قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك. (سنن الترمذي: ۹۰/۵، حديث: ۲۷۵۴، أبواب الأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل)

الگ الگ بنایا جائے ؛اور خواہ تصویر سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار؛ بہر صورت ناجائز اور حرام ہے — البتہ غیر حیوان جیسے درخت، پہاڑ، مکان وغیرہ کی تصویر بلا کراہت جائز ہے۔[1]

تشریح: سایہ دار تصویر سے مراد مجسمے ہیں جن کا سایہ بنتا ہے، بعض عرب علماء نے ممانعت کو اسی کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، اسی لئے ان کے یہاں تصویر کشی کے معاملہ میں بہت ابتلاء ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث شریف سے بلاتفریق ممانعت معلوم ہوتی ہے، بہت سے محتاط عرب علماء کی بھی یہی رائے ہے، اور برصغیر کے تمام دارالافتاؤں کا فتوی بھی اسی پر ہے۔

البتہ پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ ضروری امور میں بوجہ مجبوری علماء نے تصویر و فوٹو کی اجازت دی ہے، مگر وہ بھی بقدر ضرورت کہ الضرورة تتقدر بقدرها.

۶۶۵- **ضابطہ**: سرکٹی ہوئی تصویر جو درخت کے مشابہ ہو جائے؛ یا جو تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کو زمین پر رکھ کر آدمی کھڑے ہو کر دیکھے تو اس کے اعضاء کی

---

(۱) وفي التوضيح قال أصحابنا وغيرهم تصوير صورة الحيوان حرام أشد التحريم وهو من الكبائر وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فحرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله وسواء كان في ثوب أو بساط أو دينار أو درهم أو فلس أو إناء أو حائط وأما ما ليس فيه صورة حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام وسواء كان في هذا كله ماله ظل وما لا ظل له وبمعناه قال جماعة العلماء مالك والثوري وأبو حنيفة وغيرهم. (عمدة القاری: ۲۲/۷۰، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة)

قال ابن عباس: ... فعليك بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح. (صحيح البخاری: ۳/۸۲ حديث: ۲۲۲۵، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح)

تفصیل نظر نہ آئے؛ یا جو تصویر محلِ اہانت وذلت میں ہو مثلاً پامال فرش یا گدا وغیرہ پر ہو جس کو روندا جاتا ہو؛ تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں۔ (۱)

تشریح: اس لئے کہ سرکٹی اور روندی جانے والی تصویر کا احادیث میں استثناء ہے، اور بہت چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی، نیز وہ بہت چھوٹی ہونے کی وجہ سے کالعدم شمار ہوتی ہے، اس لئے فقہاء نے اس میں رخصت بیان کی ہے، علاوہ ازیں بعض صحابہ کی انگوٹھیوں کے نگینے اور ان کے بٹن پر چھوٹی تصویروں کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ طبقات ابن سعد اور اسد الغابہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ (۲)

خیال رہے یہ تو تصویر کے استعمال کی بات تھی، البتہ تصویر بنانا تو وہ بہر صورت ناجائز ہے، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، محلِ ذلت میں استعمال کی جانے والی ہو یا محلِ احترام میں، بغیر سر کی ہو یا سر کے ساتھ ہو۔ (۳)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: استأذن جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ادخل فقال: كيف أدخل وفي بيتك ستر فيه تصاوير، فإما أن تقطع رءوسها، أو تجعل بساطا يوطأ فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتا فيه تصاوير. (سنن النسائي: ۲۱۶/۸، حدیث ۵۳۶۵)

(أو كانت صغيرة) لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما وهي على الأرض ذكره الحلبي. (الدر المختار) (قوله لا تتبين إلخ) هذا أضبط مما في القهستاني حيث قال بحيث لا تبدو للناظر إلا بتبصر بليغ كما في الكرماني. (رد المحتار: ۶۴۸/۱، باب مایفسد الصلوۃ، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه)

ولو كانت الصورة صغيرة بحيث لا تبدو للناظر لا يكره لأن الصغار جدا لا تعبد. (هدایه: ۶۵/۱، باب مایفسد الصلوٰۃ)

(۲) (تفصیل کے لئے دیکھئے: جواهر الفقه جدید، جلد هفتم، التصویر لأحکام التصویر؛ اور البحر الرائق، باب مایفسد الصلوٰۃ)

(۳) هذا كله في اقتناء الصورة، وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا لأنه ←

انتباہ: تصویر میں صرف آنکھیں یا بھنویں یا ہاتھ وغیرہ کا کاٹ لینا کافی نہ ہوگا، بلکہ سر تن سے الگ کرنا یا پورا چہرہ مسخ کرنا ضروری ہے۔[۱]

فائدہ: اور بچوں کے کھیلنے کی گڑیاں میں فقہاء کا اختلاف ہے: بعض نے اس کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے مطلقاً حلال کہا ہے؛ اور بعض نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اس واقعہ کے حکم کو منسوخ، یا اس بات پر محمول کیا ہے کہ ان کی گڑیاں درحقیقت مکمل تصویریں نہیں تھیں جس پر کچھ قرائن ہیں؛ اور بعض نے اس میں بچوں کے بلوغ اور عدم کے اعتبار سے تفصیل کی ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے دوسرا قول یعنی مطلق حرمت کو اختیار کیا ہے اور واقعہ میں نسخ کے علاوہ مذکورہ دوسری توجیہ کو پسند کیا ہے، كما في تعليق أبي داؤد لمولانا محمديحى ناقلاعن الشيخ الگنگوهي رحمهما الله تعالى؛ حافظ منذری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہے كمافي فتح الباري[۲]؛ احقر عرض کرتا ہے کہ: عام طور پر ہمارے یہاں فتویٰ بھی اسی پر دیا جاتا ہے جیسا کہ احسن الفتاویٰ، فتاوی رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں صراحت ہے۔

کھیلوں کا بیان

۶۶۶- **ضابطہ:** ہر ایسا کھیل جو کفار یا فساق کا شعار نہ ہو؛ اور اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو اور ہار جیت پر طرفین سے مال کی شرط نہ ہو، نیز اس میں

←　مضاهاة لخلق الله تعالى كما مر. (ردالمحتار: ۱/۶۵۰، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه)

(۱) لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين. (رد المحتار: ۱/۶۴۸، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه)

(۲) (ملخصاً عن جواهر الفقه)

مشغولیت ترک طاعات کا سبب نہ ہو تو وہ جائز ہے، پھر اس سے صحت و تندرستی حاصل ہو کر دشمن کے مقابلہ میں تقویت ملتی ہو تو مستحسن بھی ہے جیسے گھوڑ دوڑ کا مقابلہ، تیراکی، کشتی، نشانہ بازی وغیرہ؛ ورنہ وہ کھیل جس قدر غلط ہوگا ویسا ہی اس پر کراہیت یا تحریم کا حکم ہوگا۔

تشریح: پس اس ضابطہ سے ہر کھیل کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔

آج کل کے مشہور کھیلوں میں کرکٹ، فٹ بال، والی بال وغیرہ میں عام طور یہ مشاہدہ ہے کہ ان میں ترک طاعات کے ساتھ کچھ ممنوعات کا بھی ارتکاب ہوتا ہے، اس لئے علماء اس سے منع کرتے ہیں، لیکن جہاں یہ بات نہ ہو وہاں حدود کی رعایت کے ساتھ اجازت دی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ کھیل فی نفسہ حرام نہیں بلکہ اس میں ممانعت لغیرہ ہے، پس اگر وہ غیر نہ ہو تو وہ اپنے اصل کے لحاظ سے مباح ہیں۔

تاہم کرکٹ کا معاملہ ذرا مشکل ہے کیونکہ اس کھیل میں خاص طور پر ہمارے یہاں برصغیر کا یہ حال ہے کہ اس میں مبتلی بہ اشخاص کو گویا ایک طرح کا جنون سوار ہے، دین بلکہ دنیا سے بھی غافل ہو کر ایک اندھے پاگل کی طرح اس میں گرے ہوئے ہیں، خواہ اس کو دیکھنے اور سننے کے اعتبار سے ہو یا کھیلنے کے تعلق سے، اس لئے سدّاً للباب علمائے کرام کرکٹ سے مطلقاً منع کرتے ہیں۔

اور کیرم وغیرہ کھیل میں بھی اگر کسی ممنوع کا ارتکاب نہ ہو بلکہ ذہنی تفریح، یا وحشت دور کرنے، اور دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی کوئی کھیل لیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس کی عادت ڈالنا یا لمبے وقت تک کھیلنا صحیح نہیں، نیز بلا کسی غرض صحیح کے بھی کھیلنے کی اجازت نہیں، وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کو صحیح کام میں لگانا ہر انسان کا فریضہ ہے، اسی لئے روایت میں ہے ہر کھیل باطل ہے یعنی اس میں عام طور پر صحیح مقصد نہیں پایا جاتا، سوائے تین چیزوں کے: تیر اندازی کی مشق کرنا؛ اپنے گھوڑے کی تربیت کرنا (کہ ان دونوں میں مقصد جہاد کارفرما ہے) شوہر کا

اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا (کہ اس میں حسن معاشرت مضمر ہے)(۱)

باب المعاشرة والاخلاق

جھوٹ کا بیان

۲۶۷-**ضابطہ**: ہر ایسا جائز مقصود ومطلوب جو سچ اور جھوٹ دونوں سے حاصل ہوسکتا ہو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے؛ اور جو مقصود صرف جھوٹ ہی سے حاصل ہوسکتا ہو سچ سے حاصل ہونا ممکن نہ ہو تو: اگر وہ مقصود مباح ہے جیسے اپنا کوئی حق کسی

---

(۱)فالضابط فی هذاالباب -عند مشائخنا الحنفية-المستفاد من أصولهم وأقوالهم:أن اللهو المجرد الذی لاطائل تحته، وليس له غرض صحيح مقيد فی المعاش ولاالمعاد:حرام،أومكروه تحريما...وما كان فيه غرض مصلحة دينية أودنيويةفإن ورد النهی عنه من الكتاب أوالسنة(كمافی النردشير)كا ن حراماً،أومكروهاتحريما...وأمامالم يرد فيه النهی عن الشارع:وفيه فائدةومصلحةللناس:فهو فی النظر الفقهی علی نوعين:

الأول :ماشهدت التجربةبأن ضرره أعظم من نفعه ومفاسده اغلب عن منافعه وأنه من اشتغل به الهاه عن ذكر الله وحده، وعن الصلوة ...فكان حراماً او مكروهاً.

والثانی:ماليس كذالک ،فهو أيضاًإن اشتغل به بنية التلهی والتلاعب فهو مكروه،وإن اشتغل به لتحصيل تلک المنفعة، وبنية استجلاب المصلحةفهو مباح،بل قد يرتقی إلی درجة الاستحباب أو اعظم منه.(تكملة فتح الملهم : ۲۵۸/۴، كتاب الشعر،قبيل كتاب الرؤيا)

كل ما يلهو به الرجل المسلم باطل، إلا رميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله، فإنهن من الحق. (سنن الترمذی: ۱۷۴/۴ حديث: ۱۶۳۷،أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في فضل الرمي في سبيل الله)

سے وصول کرنا تو اس کے حصول کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر واجب ہے تو جھوٹ بولنا واجب ہے۔ (۱)

تشریح: واجب کی مثال: جیسے کسی معصوم بے گناہ کو دیکھا کہ کوئی ظالم اس کو قتل کرنا یا اذیت دینا چاہتا ہے، تو اس کو حتی الامکان بچانا واجب ہے، اب اگر اس کو بچانے کے لئے جھوٹ کے سوا کوئی راہ نہ ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہے —— اسی طرح کسی کی امانت کے متعلق ظالم ولٹیرے نے آکر پوچھا کہ وہ تمہارے پاس ہے؟ اور وہ اس کو لینا چاہتا ہو تو انکار کردینا واجب ہے، کیونکہ امانت کی حفاظت واجب ہے۔ (۲)

البتہ جہاں توریہ سے کام چل جائے وہاں صریح جھوٹ بولنے سے گریز کرنا لازم ہے، توریہ یہ ہے کہ: ایسی بات بولنا جو ذومعنیین ہو اور سامنے والا اس کے قریبی ومتبادر معنی سمجھے جبکہ متکلم کی مراد بعیدی معنی ہو، جیسے کوئی کھانے کے لئے بلائے اس کے جواب میں کہے "میں نے کھالیا ہے" اور مراد لیوے کل گذشتہ یا دوسرے وقت کا کھانا، یا جیسے اوپر کی مثال میں روپیہ کے انکار کے وقت کہ "میرے پاس نہیں ہے" مراد لے کہ میرے جیب میں نہیں ہے وغیرہ۔

الدر المنتقی میں ہے کہ: "چار مواقع میں جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے: جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے کے لئے؛ دومسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے؛ میاں

---

(۱) والضابط فيه كما في تبيين المحارم وغيره عن الإحياء أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله. (رد المحتار: ۶/۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

(۲) كما لو رأى معصوما اختفى من ظالم يريد قتله أو إيذاءه فالكذب هنا واجب وكذا لو سأله عن وديعة يريد أخذها يجب إنكارها. (الحوالة السابقة)

بیوی کا ایک دوسرے کو راضی وخوش کرنے کے لئے ؛اور ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے ؛مگر جھوٹ سے مراد صریح جھوٹ نہیں، بلکہ تعریض وتوریہ ہے، کیونکہ عین جھوٹ تو حرام ہے، مجتبیٰ میں ہے کہ یہی بات برحق ہے" اھ [۱]

اور شامی میں ہے کہ: "مناسب یہ ہے کہ موازنہ کیا جائے کہ متعلقہ واقعہ میں جھوٹ کا مفسدہ زیادہ ہے یا سچ پر مرتب ہونے والا مفسدہ؟ اگر سچ کا مفسدہ زیادہ ہو تو جھوٹ کی اجازت ہے، اور اگر معاملہ برعکس ہو یا شک ہو تو حرام ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ: اگر اپنا ذاتی معاملہ ہو تو جھوٹ نہ بولنا مستحب ہے خواہ نقصان ہوجائے ،اور معاملہ غیر سے متعلق ہو تو حق غیر کی بنا پر جھوٹ بولنا واجب ہے اس میں چشم پوشی جائز نہیں ،اور جہاں جھوٹ بولنا محض مباح ہے: وہاں احتیاط یہ ہے کہ اس سے گریز ہی کیا جائے" اھ [۲]

۶۶۸- **ضابطہ**: انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔ [۳]

---

(۱) و الكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، و في الصلح بين اثنين ،و في إرضاء الأهل، و في دفع الظالم عن الظلم. و المراد التعريض ،لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى و هو الحق. (الدر المنتقى شرح الملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/ ۵۵۲، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات)

(۲) وينبغي أن يقابل مفسدة الكذب بالمفسدة المترتبة على الصدق، فإن كانت مفسدة الصدق أشد، فله الكذب، وإن العكس أو شك حرم، وإن تعلق بنفسه استحب أن لا يكذب وإن تعلق بغيره لم تجز المسامحة لحق غيره و الحزم تركه حيث أبيح. (ردالمحتار:۶/ ۴۲۷، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع)

(۳) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع (صحيح مسلم : ۱/ ۱۰، حديث:۸، با ب النهي عن الحديث بكل ما سمع)

تشریح: یہ صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان عادتاً سچ اور جھوٹ دونوں خبریں سنتا ہے، لہٰذا جب وہ ہر سنی ہوئی بات بلا تثبت و تحقیق کے بیان کرتا پھرے گا تو یقیناً جھوٹ میں مبتلا ہو جائے گا، کیونکہ اہل حق کے نزدیک جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں: جو خلاف واقعہ بیان کی جائے، اس میں تعمد یعنی جان بوجھ کر مبتلا ہونا شرط نہیں، ہاں متکلم کے گنہ گار ہونے میں تعمد شرط ہے۔

البتہ جو لوگ سچ بات ہی سنتے ہیں اور سچ کے سوا سننے کا موقع ہی انہیں میسر نہیں ہوتا وہ اس حدیث کی مراد نہیں، مگر ایسا ہونا نادر ہے، پس حدیث کا محمل غالب احوال ہے کہ نادر امر کلام سے یوں ہی مستثنیٰ رہتا ہے۔ (۱)

غیبت کا بیان

تمہید: کسی کے پس پشت اس میں واقعی موجود ایسا عیب ذکر کرنا کہ اس کو معلوم ہو جائے تو ناگوار گزرے یہ غیبت ہے، اور اس پر سخت وعید وارد ہوئی ہے، اگر اس شخص میں وہ عیب نہ ہو جس کو بیان کیا گیا تو یہ بہتان ہے جو غیبت سے بھی زیادہ شدید ہے؛ تاہم بعض صورتیں غیبت سے مستثنیٰ بھی ہیں جو صورتاً تو غیبت ہیں مگر غیبت نہیں کہلاتیں، اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو لوگ غیبت نہیں سمجھتے، جبکہ درحقیقت وہ غیبت کے زمرے میں آتی ہیں، تو اس سلسلہ میں چند ضوابط ملاحظہ فرمائیں:

۶۶۹- **ضابطہ**: نام ذکر کئے بغیر کسی کا عیب ایسے شخص کے سامنے کرنا جس

(۱) فإن الإنسان يسمع في العادة الصدق و الكذب، فإذا حدث بكل ما سمع من غير تثبت و تبين فقد كذب لإخباره ببعض مالم يكن، فإن الكذب عند أهل الحق الإخبار عن الشيء بخلاف ماهو عليه في الواقع، ولا يشترط فيه التعمد، لكن التعمد شرط في كونه إثما، و ما يتفق نادر أفيمن حفظ فلم يسمع إلا الصدق فغير مراد بالحديث، و إنما خرج مخرج الغالب. (فتح الملهم: ۱/۲۵۶)

کے نزدیک وہ متعین ومعلوم ہے یہ بھی غیبت ہے (بلکہ اس میں نفاق وریاء بھی ہے)[1]

۶۷۰-**ضابطہ:** دفع ظلم کے لئے اس شخص کے سامنے غیبت کرنا جو دفع ظلم پر قادر ہے جائز ہے۔[2]

۶۷۱-**ضابطہ:** تغییر منکر کی نیت سے استاذ، امیر، بادشاہ وغیرہ اصحاب ولایت وقدرت کے سامنے غیبت کرنا جائز ہے۔[3]

۶۷۲-**ضابطہ:** مفتی کے سامنے حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے غیبت کرنا جائز ہے (لیکن اس وقت نام مبہم رکھنا بہتر ہے)[4]

۶۷۳-**ضابطہ:** علانیہ گناہ کرنے والے کی غیبت: علانیہ گناہ کے بابت جائز ہے (خیال رہے اس کے مخفی گناہوں کا تذکرہ جائز نہیں)[5]

۶۷۴-**ضابطہ:** کسی کے شر سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس کے مفسدہ کا ذکر نیک نیتی سے جائز ہے (جیسے شہود رواۃ پر جرح کرنا وغیرہ)[6]

۶۷۵-**ضابطہ:** تعارف کی غرض سے کسی کے ایسے عیب کا ذکر جس کے بغیر تعارف ناممکن ہو جائز ہے (جیسے رواۃ حدیث میں اعور بمعنی کانا، اعمش بمعنی کمزور وچندھا آنکھوں والا، اعرج بمعنی لنگڑا وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے)[7]

---

(۱) وفي وجه: هي نفاق بأن يغتاب من لا يسميه عند من يعرفه، فهو مغتاب، ويرى من نفسه أنه متورع، فهذا هو النفاق. (ردالمحتار: ۴۰۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)

(۲ تا ۷) وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لايتوصل إليه إلا بها وتنحصر في ستة اسباب، الأول: التظلم فلمن ظلم أن يشكو لمن يظن له قدرة على إزالة ظلمه أو تخفيفه. الثاني: الاستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على إزالته. الثالث: الاستفتاء فيجوز للمستفتي أن يقول للمفتي: ظلمني فلان بكذا فهل يجوز له أو ماطريق ←

وعدہ خلافی کا بیان

۶۷۶- **ضابطہ:** ہر وہ وعدہ جو کسی شرط پر معلق ہو اس کا پورا کرنا لازم ہے اور جو مطلق ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں۔ [1]

تشریح: شرط پر معلق ہونا یہ ہے کہ جس کو وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے کوئی شرط رکھی جیسے تم یہ کام کرلو تو اتنی رقم دوں گا، یا معاملہ کو ثالث پر معلق کیا جیسے فلاں نے تمہاری یہ رقم ادا نہیں کی تو میں ادا کردوں گا، تو اس صورت میں شرط پائے جانے پر وعدہ کا پورا کرنا دیانتاً و قضاءً لازم ہے۔ [2]

اور جس وعدہ میں کوئی تعلیق نہ ہو جیسے کہا میں تمہیں کل فلاں چیز دوں گا، تو قضاءً اس کا پورا کرنا واجب نہیں؛ تاہم دیانتاً جبکہ اس پر قادر ہو پورا کرنا واجب ہے، نصوص میں متعدد جگہ وفاء وعدہ کی تاکید کی گئی ہے، اور عدم وفاء کو منافق کی علامت قرار دیا ہے، البتہ جس شخص کی نیت وفاء کی تھی لیکن کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش آ گئی اور وعدہ کو وفاء نہ کرسکا تو وہ گنہ گار نہ ہوگا، حدیث شریف میں ہے: اذا وعد الرجل اخاه و من نيته أن

← تحصيل حقي أونحو ذالک، والأفضل أن يبهمه. الرابع تحذير المسلمين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصدقين لافتاء أو اقراء مع عدم أهلية فتجوز إجماعاً بل تجب (إلى أن قال) والخامس: أن يتجاهر بفسقه كالمكاسين وشربة الخمر ظاهراً فيجوز ذكرهم بماتجاهروا فيه دون غيره إلاأن يكون له سبب آخر ممامر. (روح المعانی: ۲۶/ ۱۶۱)

(۱) المواعيد بصورة التعليق تكون لازمة. (قواعدالفقه ۱۳۱، قاعده ۳۶۰، شرح مجلة الأحكام، مادة ۸۴، جلد ۱/ ۷۷)

(۲) أما إذا ذكره معلقا بأن قال إن لم يؤده فلان فأنا أدفعه إليك أو نحوه يكون كفالة لماعلم أن المواعيد باكتساب صور التعاليق تكون لازمة. (البحر الرائق: ۳/ ۳۳۹، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق)

يفي فلم يفي ولم يجئ للميعاد فلااثم عليه. (ابوداؤد شریف: ۲۹۹/۴، حدیث: ۴۹۹۵ باب في العدة)

قطع تعلق کا بیان

۶۷۷- **ضابطہ**: کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ کا ترک تعلق جائز نہیں، مگر یہ کہ حقوق اللہ میں سے کسی حق کی بنا پر ہو تو گنجائش ہے۔

تشریح: اللہ کے حق یعنی دین کے خاطر زیادہ مدت بلکہ زندگی بھر کے لئے ترک تعلق کیا جاسکتا ہے، دعائے قنوت میں ہے: ونترک من یفجرک ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں جو آپ کا گناہ کرتا ہے، نبی ﷺ نے غزوۂ تبوک میں اپنے تین مخلص صحابہ سے جو بغیر عذر کے شریک نہیں ہوئے تھے پچاس دن کا بائکاٹ کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیٹے سے زندگی بھر نہ بولنے کی قسم کھائی تھی —— البتہ جب تک نصیحت وفہمائش سے نفع کی امید ہو اصلاح کرتے رہنا چاہئے، یک دم ترک تعلق درست نہیں، مگر یہ کہ تعلق کی وجہ سے خود کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی جائز مصلحت ہو۔

اسی طرح حقوق اللہ کے علاوہ میں بھی خاص احوال میں تین دن سے زیادہ کا ترک تعلق کیا جاسکتا ہے، مثلاً میاں بیوی میں یا ماں باپ اور اولاد میں ناچاقی ہوگئی تو اس میں زائد مدت تک کی گنجائش ہے، نبی ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ کا ایلاء کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں خواہ کتنی ہی مدت گذر جائے رشتہ منقطع نہیں ہوتا، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، مگر بھائی بہنوں میں یہ گنجائش نہیں، کیونکہ ان میں تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔[1]

---

(۱) (مأخوذ: تحفۃ القاری شرح البخاری: ۱۰۱/۱۱، کتاب الأدب، باب الهجرة، حديث: ۶۰۷۳؛ و مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۷۵۹/۸، كتاب الآداب، باب ماينهى من التهجار و التقاطع، رقم الحديث: ۵۰۲۷)

گناہ اور توبہ کا بیان

۶۷۸-**ضابطہ**: ہروہ کام جو مسلم معاشرہ میں برا سمجھا جاتا ہو اور اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یا اس کے دین کی بے احترامی ہوتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ گناہ صغیرہ ہے۔

تشریح: یہ گناہ کبیرہ وصغیرہ میں ایک حد فاصل ہے جس کو شمس الائمہ حلوانی نے بیان کیا ہے اور قرۃ عین الاخیار میں عینی کے حوالہ سے اسی کو اصح کہا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی حدود ہے، جن میں مشہور یہ ہیں:

۱-جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ ہے۔

۲-جس میں کوئی حد یا قتل کی سزا بیان کی گئی ہے وہ کبیرہ ہے، باقی صغیرہ۔

۳-ہروہ گناہ جس کو اصرار سے کرے وہ کبیرہ ہے اور جس سے توبہ واستغفار کرلے وہ صغیرہ ہے، کیونکہ روایت میں ہے: لا صغيرة مع الإصرار ولا كبيرة مع الاستغفار.[1]

۴-صغیرہ وکبیرہ دونوں اضافی نام ہیں: ہر گناہ اس سے اوپر کی طرف نسبت کرتے ہوئے صغیرہ ہے اور نیچے کی جانب نسبت کرتے ہوئے کبیرہ ہے، اس کو متکلمین نے بیان کیا ہے اور یہی اوجہ ہے۔[2]

---

(۱)(كنز العمال: ۲۱۸/۴، حديث: ۱۰۲۳۸ عن ابن عباس؛ شعب الإيمان: ۴۵۶/۵ حديث: ۷۲۶۸)

(۲)قال العيني: اختلفوا في الكبيرة... قيل ما ثبت حرمته بدليل مقطوع به فهو كبيرة، وقيل ما فيه حد أو قتل فهو كبيرة، وقيل كل ما أصر عليه المرء فهو كبيرة، وما استغفر عنه فهو صغيرة. والاوجه ما ذكره المتكلمون أن كل ذنب فوقه ذنب وتحته ذنب، فبالنسبة إلى ما فوقه فهو صغيرة، وإلى ما تحته فهو ←

انتباہ: حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے غالباً کسی جگہ لکھا ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ کے شان علوی کی دیکھتے ہوئے تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں سمجھنا چاہئے، بادشاہ کی تھوڑی نافرمانی اوراس کے دربار میں معمولی گستاخی بھی بڑی کہلاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو مالک الملوک ہیں، اور بعضے مرتبہ ایک چھوٹی سی چنگاری بھی بھاڑ پھونک نے کے لئے کافی ہوتی ہے، کیا کوئی عقلمند اپنے کپڑے کے بوکس یا اٹیچی میں چھوٹی سی چنگاری یہ خیال کرکے رکھ سکتا ہے کہ یہ تو معمولی ہے اتنی مضر نہ ہوگی! پھر گناہ کے باب میں یہ کہہ کر کیوں ہمت کرلی جاتی ہے کہ یہ تو صغیرہ ہے کبیرہ نہیں ہے!!!''

پس یہ حکیم الامت کی بڑی حکیمانہ ہدایت ہے، اپنی ذات کے حد میں ہر گناہ سے حفاظت کے لئے اسی کوملحوظ رکھنا چاہئے، البتہ فقہی احکام: قبول شہادت، منصب قضا، اذان، امامت وغیرہ میں مندرجہ بالا فرق کا لحاظ لابدی ہے، اور حضرت قدس سرہ کا مقصود بھی وہی ہے۔

۶۷۹- **ضابطہ:** کسی مصلحت سے گناہ کوجائز سمجھنا الحادو بے دینی ہے۔

تشریح: ایسا سمجھنے یا کرنے والا فاسق ہے، اور آیت کریمہ: أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ غِشَاوَةً (الجاثية: ۲۳) کا مصداق ہے، ایسے باطل نظریہ سے توبہ واستغفار لازم ہے۔

شریعت کا فیصلہ تو یہ ہے کہ مسائل پر مصالح کو مصالحہ کی طرح پیس ڈالو، جتنا زیادہ پیسوگے سالن اتنا ہی لذیذ ہوگا۔[۱]

← کبيرة. والاصح ما نقل عن شمس الائمة الحلواني أنه قال: كل ما كان شنيعا بين المسلمين وفيه هتك حرمة الله تعالى والدين فهو من جملة الكبائر اه. (قره عين الأخيار لتكملة رد المحتار: ۵۲۹/۷، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، وتبيين الحقائق: ۲۲۲/۴، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل)

(۱) (الحوالة السابقة)

۶۸۰-**ضابطہ:** نصوص میں جہاں کہیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فلاں نیک کام سے اتنے گناہ معاف ہوتے ہیں تو وہاں صغیرہ گناہ مراد ہیں، کبیرہ گناہ کے لئے توبہ ضروری ہے۔ (۱)

تشریح: اور سچی توبہ جس کو توبۂ نصوحا کہتے ہیں یہ ہے کہ: فی الحال گناہ کو ترک کردے؛ اپنے کئے ہوئے پر نادم ہو؛ آئندہ کبھی بھی اس کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے؛ اور ایسا نیک عمل کرے جو اس گناہ کے اثر کو مٹادے، من جملہ اس کے اگر حقوق العباد سے متعلق گناہ ہو تو اس بندے کا حق ادا کردے، اور اس کو کوئی ایذا پہنچائی ہو تو کسی طرح اسے خوش کرلے۔ (۲)

---

(۱) إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ. والحسنات: جميع الأعمال الصّالحة، حتى ترك السّيئة، والسّيئات: الذّنوب الصّغائر لأن الكبائر لا يكفّرها إلا التّوبة لقوله تعالى: إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ ما تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ، وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيماً [النّساء ۴/ ۳۱] ، ولما رواه مسلم: الصّلوات الخمس كفّارة لما بينهن، إذا اجتنبت الكبائر. (التفسير المنير لوهبة الزحيلى: ۱۲/ ۱۷۳، سورة هود، الآية: ۱۱۴)

قال الأبهري: ظاهره أن المرض يكفر الذنوب جميعا إذا حمد المريض على ابتلائه، لكن الجمهور رخص ذلك بالصغائر للحديث الذي تقدم في كتاب الصلاة من قوله: كفارات إذا اجتنبت الكبائر فحملوا المطلقات الواردة في التكفير على المقيد. (مرقاة المفاتيح: ۳/ ۱۱۴۸، حديث: ۱۵۷۹، كتاب الجنائز؛ وهكذا فى عمدة القارى: ۵/ ۹، كتاب الصلاة، باب الصلاة كفارة)

(۲) وأمّا شروط التّوبة الصّادقة فهي أربعة: الإقلاع عن الذّنب، والنّدم عليه، والعزم على عدم العود إلى مثله في المستقبل، والعمل الصّالح الذي يساعد على محو أثر الذّنب، ومنه ردّ الحقوق لأصحابها، وطلب السّماح ممن آذاه. (التفسير المنير للزحيلى: ۱۲/ ۱۷۳، سورة هود، الآية: ۱۱۴)

۶۸۱- **ضابطہ:** خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: پس والدین، استاذ، پیر، امیر وغیرہ کسی گناہ کے کام کا حکم کرے تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، بلکہ ادب واحترام سے ان کو منع کردے، کیونکہ اطاعت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور بعض صورتوں میں مخلوق کی جو اطاعت ہے وہ بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا حکم دیا ہے، لیکن جب وہ معصیت کا حکم کرے تو پھر اصل مقصود کے خلاف ہوجائے گا، اس لئے اس امر میں اس کی اطاعت جائز نہ ہوگی، خواہ پھر وہ کوئی بھی ہو۔

متفرقات الحظر والإباحة

۶۸۲- **ضابطہ:** دنیوی غرض سے عمل بمذہب غیر-یعنی حنفی کا شافعی مسلک پر عمل کرنا یا اس کے برعکس- جائز نہیں۔ (۲)

تفریع: پس کوئی حنفی عالم جو شافعی مسجد میں امام ہو اس کے لئے انتظامیہ نے شرط رکھی کہ شافعی مسلک کے موافق ہی نماز پڑھانی ہوگی ورنہ معزول کردئے جاؤگے تو ملازمت کے خاطر ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔

۶۸۳- **ضابطہ:** اختلاف سے خروج مستحب ہے، بالخصوص جمہور کے اختلاف سے کہ وہ جواز میں شبہ پیدا کرتا ہے۔ (۳)

---

(۱)(سنن الترمذی: ۲۰۹/۴، حدیث: ۱۷۰۷)

(۲)قال في جواهر الفتاوى: ...فأما الذي لم يكن من أهل الاجتهاد فانتقل من قول إلى قول من غير دليل لكن لما يرغب من غرض الدنيا وشهوتها فهو مذموم آثم مستوجب للتأديب، والتعزير لارتكابه المنكر في الدين واستخفافه بدينه ومذهبه. اهـ. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى لابن عابدين: ۳۲۷/۲، مسائل وفوائد من الحظر والإباحة، فائدة يخاصم ضارب الحيوان)

(۳)وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً، لأن ←

تشریح: ائمہ کے اختلاف کے وقت کوئی امر اس طرح سے ادا کرنا کہ تمام کے مسلک کی رعایت ہو جائے اور اختلاف سے خروج ہو جائے یہ مستحب ہے (بلکہ بعض حضرات کے نزدیک تو مراعات خلاف واجب ہے) جیسے مس مرأت سے ہمارے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس بات کی رعایت کرنی چاہئے کہ وضو کے بعد عورت سے (کھلے بدن پر) مس نہ ہو، اگر ہو گیا تو احتیاطاً وضو کر لے، کہ ایسا کرنے میں اس کا وضو صحیح ہو کر نماز بالاتفاق صحیح ادا ہوگی، یا جیسے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے، اور ہمارے نزدیک صرف چوتھائی سر کا فرض ہے، تو اس کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہئے کہ پورے سر کا ہی مسح کرے، تا کہ وضو بالاتفاق صحیح ہو، بلکہ اس مسئلہ میں ہمارے یہاں پورے سر کا مسح گو فرض نہیں، مگر سنت ہے، اسی لئے امداد الفتاویٰ میں ہے کہ: ''جو شخص چوتھائی سر کے مسح کی عادت ڈالے تو یہ مکروہ ہے، اس کا اثر نماز تک جاتا ہے''۔

تاہم خیال رہے کہ مذکورہ ضابطہ اس وقت ہے جبکہ دوسرے مذہب کی رعایت میں خود کے مذہب میں کوئی کراہیت نہ آتی ہو (جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا) ورنہ پھر رعایت جائز نہ ہوگی، جیسے نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کہ ہمارے نزدیک جائز نہیں، اور بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے، تو اب رعایت صحیح نہیں، ورنہ اپنے مذہب کے لحاظ سے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب لازم آئے گا، بلکہ صحیح معنی میں اس وقت مقصد پر عمل یعنی اختلاف سے خروج ممکن ہی نہ ہوگا۔

۶۸۴- **ضابطہ**: مذہب میں تصلب واجب ہے؛ تعصب جائز نہیں۔

← خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: الحلال بين و الحرام بين و بينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه. (إعلاء السنن: ۱۴/ ۳۶۷، كتاب البيوع، باب الربا)

تشریح: تصلب یہ ہے کہ اپنے ہی مذہب مثلاً حنفی ہو تو اسی پر عمل کرے اور اس کو صحیح وحق جانے، اور تعصب یہ ہے کہ دوسرے مذہب والے کے ساتھ نادانی اور جفا کے ساتھ پیش آئے اور اس کے مذہب میں کمالات کی بجائے ہر وقت نقائص ہی تلاش کرتا رہے۔[۱]

۶۸۵- **ضابطہ:** وہ اذکار جن میں خاص عدد کا ذکر آیا ہے (جیسے تسبیح فاطمی اور نماز کے بعد کی تسبیح الفقراء وغیرہ) ان میں اس عدد کی رعایت نہ کرنا- یعنی کمی یا بیشی کے ساتھ پڑھنا- اس میں موجود حکمت وخاصیت سے انحراف کرنا ہے۔[۲]

۶۸٦- **ضابطہ:** اوقات متواردہ کی جو دعائیں ہیں (جیسے کھانے سے پہلے اور

(۱)قال فخر الإسلام لما سئل عن التعصب قال الصلابة في المذهب واجبة، والتعصب لا يجوز، والصلابة أن يعمل بما هو مذهبه ويراه حقا وصوابا، والتعصب السفاهة، والجفاء في صاحب المذهب الآخر وما يرجع إلى نقصه ولا يجوز ذلك .(العقود الدرية فی تنقيح الفتاویٰ لابن عابدين : ۳۳۳/۲، مسائل وفوائد من الحظر والإباحة، فائدة يخاصم ضارب الحيوان)

(۲)قال الحافظ ابن حجر:... الصلوات مراعاة العدد المخصوص في الأذكار معتبرة وإلا لكان يمكن أن يقال: لهم أضيفوا التهليل إليها ثلاثا وثلاثين وقد كان بعض العلماء يقول: إن الأعداد الواردة كالذكر عقب الصلوات إذا رتب عليها ثواب مخصوص فزاد الآتي بها على العدد المذكور لا يحصل له ذلك الثواب لاحتمال أن يكون لتلك الأعداد حكمة وخاصية تفوت بمجاوزة ذلك العدد ... ويؤيد ذلك أن الأذكار المتغايرة إذا ورد لكل منها عدد مخصوص مع طلب الإتيان بجميعها متوالية لم تحسن الزيادة على العدد المخصوص لما في ذلك من قطع الموالاة لاحتمال أن يكون للموالاة في ذلك حكمة خاصة تفوت بفواتها، والله تعالى أعلم. اهـ.(العقود الدرية فی تنقيح الفتاویٰ لابن عابدين : ۳۳۳/۲، مسائل وفوائد من الحظر والإباحة، فائدة يخاصم ضارب الحيوان)

بعد کی، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی وغیرہ جو مخصوص الفاظ کے ساتھ وارد ہیں) ان میں ہاتھ نہ اٹھانا مسنون ہے، اور اوقات خاصہ کی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔

تفریع: پس اگر کوئی شخص اذان کے بعد دعاء ماثورہ پڑھنا چاہے تو ہاتھ نہ اٹھانا افضل ہے، اور دعاء ماثورہ کے علاوہ اپنی حاجت کے لئے بھی دعاء کرنا چاہے تو پھر ہاتھ اٹھانا افضل ہے (کہ یہ اجابت دعاء کا وقت خاص بھی ہے کما فی الحدیث)[۱]

۶۸۷- **ضابطہ:** وہ ساز و سامان جن کا استعمال جائز نہیں جیسے گانے بجانے کے آلات وغیرہ ان کو مکان میں رکھنا (ذخیرہ کرنا) مکروہ ہے گو استعمال نہ کرے (کیونکہ عادتاً ان کا روکنا لہو کے لئے ہوتا ہے)[۲]

۶۸۸- **ضابطہ:** کسی انسان کو خود اپنا نقصان بھی نہیں اٹھانے دیا جائے گا، گو وہ خود ہی اس پر راضی ہو۔[۳]

جیسے:

کوئی بے وقوف کہے کہ مجھے مار ڈالو؛ یا میرا ہاتھ کاٹ لو؛ یا میرا یہ مال سمندر میں ڈالدو؛ یا کوئی مزدور کوئی خطرناک مہم کے لئے راضی ہو جس میں موت یا مرض شدید کا ظن غالب ہو؛ تو ان سب صورتوں میں آمر کو یہ نقصان اٹھانے نہیں دیا جائے گا، اور اس کا کہا ماننا واجب بلکہ جائز نہ ہوگا۔

تفریع: کسی نے اپنے گھر کی صرف شہتیر کو بیچا تو یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ مشتری اس

(۱) (ماخوذ: تحفۃ الالمعی شرح ترمذی: ۱/ ۵۳۵؛ امداد الفتاوی حاشیۃ: ۱/ ۶۴)

(۲) ولو أمسک فی بیته شیئا من المعازف والملاهی کره ویأثم وإن کان لا یستعملها، لأن امساک هذه الأشیاء یکون للهو عادة (خلاصة الفتاوی: ۴/ ۳۳۸، کتاب الکراهية)

(۳) والإنسان لا یجبر علی تحمل الضرر وإن رضي به. (ردالمحتار: ۴/ ۳۰۱، کتاب الشرکة)

کو اکھاڑنے کا مطالبہ کرے گا، جس سے بائع کے گھر کا شدید نقصان ہوگا۔[1]

۶۸۹-**ضابطہ**: قرع اندازی حقوق کے مساوی ہونے کے وقت ہے۔[2]

تشریح: یعنی جب تمام کے حقوق مساوی ہو اور تقسیم میں مساوی حصے کر کے محض انتخاب کی غرض سے قرع اندازی کی جائے تو درست ہے بلکہ آپسی رضامندی حاصل کرنے اور دل آزاری سے بچنے کے لئے مستحب ہے؛ ورنہ درست نہیں۔

جیسے تقسیم میراث یا تقسیم منافع میں جبکہ مال غیر نقدی ہو اور سب کے حقوق بھی مساوی ہو تو برابر حصے کرنے کے بعد قرع اندازی کی جاسکتی ہے؛ اسی طرح سفر میں کس بیوی کو ساتھ لے جانا ہے اس میں قرع اندازی کرے تو درست ہے کیونکہ اس امر میں سب بیویوں کا حق مساوی ہے؛ یا کوئی شخص تبرع اور انعام کے طور پر کچھ دینا چاہے اور اس میں قرع اندازی کرے تو جائز ہے، کیونکہ اس استحقاق میں جو تبرع کے طور پر ہو سب کا برابر حق ہوتا ہے۔

لیکن اگر واجب حقوق میں مساوی حصے نہ کئے، یا حقوق کمی بیشی سے نکلتے ہوں تو قرع اندازی جائز نہیں، اس وقت یہ قمار ہو جائے گا، جیسے متعدد بیویاں ہوں تو شب باشی میں مساوات واجب اور ضروری ہے: اب کوئی شخص غیر معین طور پر ایک کے لئے ایک رات اور دوسری کے لئے دورات کا انتخاب کرے پھر قرع اندازی سے تعیین کرے تو یہ جائز نہیں، اسی طرح جب دو وارثوں یا دو شریکوں کے حق کمی بیشی سے نکلتے ہوں اور قرع اندازی سے تقسیم کرے تو صحیح نہیں۔

۶۹۰-**ضابطہ**: جو جانور خلقتاً موذی ہیں جیسے سانپ بچھو وغیرہ ان کو مارنا

---

(۱) إذا باع نصف زرعه من رجل لا يجوز؛ لأن المشتري يطالبه بالقلع فيتضرر البائع فيما لم يبعه وهو النصف الآخر كبيع الجذع في السقف. (ردالمحتار: ۳۰۱/۴، كتاب الشركة)

(۲) الإقراع عند تساوي الحقوق. (قواعد الاحكام في مصالح الانام: ۹۰/۱)

جائز، بلکہ باعث ثواب ہے (کٹ کھنے کتے اور موذی بلی کا بھی یہی حکم ہے) اور جو جانور خلقتاً موذی نہیں جیسے کتا، بلی، چیونٹی، مکھی، مکڑی وغیرہ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر ابتداء بالاذی کریں تو ان کے قتل میں حرج نہیں، ورنہ خلاف اولیٰ ہے۔[1]

وضاحت: شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ درندے انہیں بھی جنگل میں جا کر نہیں مارنا چاہئے کہ یہ ابتداء بالاذاء نہیں کرتے بلکہ اس وقت وہ موذی نہیں رہتے، ہاں ان میں کوئی آبادی میں آجائے اور لوگوں کو گزند پہنچائے یا ہراساں کرے تو پھر اس کے قتل میں حرج نہیں،[2] جیسے گھر میں مچھر، کھٹمل اور بارش کے کیڑے مکوڑے گھس جائیں تو چونکہ یہ عموماً ابتداء بالاذا کرتے ہیں یا ان سے ہر وقت اندیشہ رہتا ہے مطلقاً مارنے میں مضائقہ نہیں۔

انتباہ: احادیث میں وزغ کو مارنے کی ترغیب آئی ہے، اور اس پر ثواب بیان کیا

---

(۱) وجاز قتل ما يضر منها ككلب عقور وهرة تضر. (الدر المختار: ۶/۷۵۲، مسائل شتى، قبيل كتاب الفرائض)

عن ابن مسعود، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتلوا الحيات كلهن فمن خاف ثأرهن فليس مني. (سنن أب ى داؤد: ۴/ ۳۶۳ حديث: ۵۲۴۹، كتاب الأدب، باب في قتل الحيات)

قتل الزنبور والحشرات هل يباح في الشرع ابتداء من غير إيذاء وهل يثاب على قتلهم؟ قال لا يثاب على ذلك وإن لم يوجد منه الإيذاء فالأولى أن لا يتعرض بقتل شيء منه كذا في جواهر الفتاوى. (الفتاوىٰ الهندية: ۵/ ۳۶۱، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون)

(۲) ولنا أن السبع صيد وليس من الفواسق؛ لأنه لا تبتدئ بالأذى حتى لو ابتدأ كان منها فلا يجب بقتله شيء. (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۰ كتاب الحج، فصل الجناية على الإحرام في الصيد)

گیاہے،اور وزغ جمع ہے وزغة کی،سام ابرص (چھپکلی)اور حرباء (گرگٹ) دونوں کو کہتے ہیں ،پس چھپکلی اور گرگٹ دونوں کو مارڈالنا چاہئے ،لوگ گرگٹ کو تو مار ڈالتے ہیں مگر چھپکلی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو مارنا باعث ثواب نہیں سمجھتے یہ صحیح نہیں۔ (۱)

۶۹۱-**ضابطہ**: خصی ہونا-یعنی فوطے وغیرہ نکال کر جنسی خواہش بالکل ختم کردینا-انسان کے لئے قطعاً حرام ہے خواہ چھوٹا بچہ ہو یا بڑا —— اور جانوروں میں: غیر ماکول اللحم یعنی جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا: کتے ، بلی ،شیر وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے —— اور ماکول اللحم یعنی جن کا گوشت حلال ہے: بکرا وغیرہ تو جب وہ چھوٹا ہو تو اس کی خصی جائز ہے بڑے ہونے کے بعد جائز نہیں۔ (۲)

۶۹۲-**ضابطہ**: شوہر کا بیوی کو تادیباً مارنے میں ضابطہ یہ ہے کہ: ہر ایسا گناہ جس کے ارتکاب پر شریعت میں کوئی حد وارد نہیں ہوئی بیوی اس میں مبتلا ہو تو شوہر اس پر تعزیر (مارنے وغیرہ کی سزا) کرسکتا ہے،اور جس میں حد وارد ہوئی ہے اس میں شوہر کو یہ اختیار نہیں۔ (۳)

---

(۱) (تحقیق کے لئے دیکھئے: غیاث اللغات میں لفظ وزغ کے معنی؛ تحفة القاری:۶/۵۲۷، حدیث:۳۳۰۷؛ فتاوی محمودیہ: ۱۸/۲۷۷، کتاب الحظر و الإباحة،احسن الفتاوی: ۸/۱۸۶،متفرقات الحظر و الإباحة)

(۲)عن الاستخصاء، فدل علی أنه حرام في الآدمي صغیرا کان أو کبیرا، لأن فیه تغییر خلق الله تعالی، ولما فیه من قطع النسل وتعذیب الحیوان. قال البغوي: وکذا کل حیوان لا یؤکل، وأما المأکول فیجوز في صغره ویحرم في کبره (عمدة القاري:۲۰/۱۷، کتاب فضائل القرآن،باب تزویج المعسر الذي معه القرآن والإسلام)

(۳)والضابط کل معصیة لا حد فیها فللزوج والمولی التعزیر. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۴/۷۷، کتاب الحدود، باب التعزیر)

تفریع: پس کوئی عورت بلا عذر نماز نہ پڑھے، یا روزہ نہ رکھے؛ یا شوہر کے لئے باوجود قدرت کے جائز زینت اختیار نہ کرے؛ یا غسل جنابت نہ کرے؛ یا بلا وجہ گھر سے باہر نکلے؛ یا شوہر جب صحبت کے لئے بستر پر بلائے تو باوجود کوئی شرعی و طبعی عذر نہ ہونے کے منع کردے؛ یا اپنے بچے کے رونے پر اس کو مارے؛ یا شوہر کی نصیحت پر عمل نہ کرے؛ یا شوہر کو برا بھلا کہے؛ یا اس پر کوئی ناحق دعوہ کرے؛ یا اس کے کپڑے پھاڑے؛ یا جان بوجھ کر اس طرح چلائے کہ اجنبی کو سنائے؛ یا عام بے پردگی کرے؛ یا شوہر کی کوئی ایسی چیز جس کو عادتاً نہیں دیا جاتا ہے بلا اجازت کسی کو دیدے؛ تو ان سب صورتوں میں شوہر اس کو تعزیر کر سکتا ہے، کیونکہ ان میں شرعاً کوئی حد وارد نہیں ہوئی۔ (۱)

اور زنا، چوری وغیرہ گناہوں میں شوہر کو تعزیر کا اختیار نہیں، کیونکہ ان گناہوں میں شرعاً حد وارد ہوئی ہے تو وہی سزا کافی ہے، پھر شوہر بھی تعزیر کرے گا تو دو سزائیں جمع ہو جائیں گی اور یہ صحیح نہیں۔ البتہ جن جگہوں میں شرعی حدود جاری نہیں ہیں وہاں تنبیہاً شوہر کو ایسے غلیظ افعال میں تعزیر کا اختیار ہونا چاہئے۔

ملحوظہ: واضح رہے کہ عورت کی تقصیر و بدخوئی پر فوری مارنے کی اجازت نہیں، بلکہ

---

(۱) ويعزر المولى عبده والزوج زوجته ولو صغيرة لما سيجيء على تركها الزينة الشرعية مع قدرتها عليها و تركها غسل الجنابة، و على الخروج من المنزل لو بغير حق و ترك الإجابة إلى الفراش لو طاهرة من نحو حيض. ويلحق بذلك ما لو ضربت ولدها الصغير عند بكائه أو ضربت جاريته غيرة ولا تتعظ بوعظه، أو شتمته ولو بنحو يا حمار، أو ادعت عليه، أو مزقت ثيابه، أو كلمته ليسمعها أجنبي، أو كشفت وجهها لغير محرم، أو كلمته أو شتمته أو أعطت ما لم تجر العادة به بلا إذنه والضابط.. الخ (الحوالة السابقة)

وقع الاختلاف في جواز ضربها علي ترك الصلاة فذكر هنا تبعا لكثير أنه يجوز. (البحر الرائق: ۵/۵۳، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

قرآن مجید میں ہے: فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ (الآیة) یعنی اس میں تین درجہ ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ زبانی فہمائش کرے اور سمجھاوے، اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ بستر الگ کردے لیکن اسی گھر میں رہے، اگر اس پر بھی نہ مانے تو تیسرا اور آخری درجہ میں اس کو مار سکتا ہے، مگر ایسا نہ مارے کہ اس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے، ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اسی کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں۔

نیز خیال رہے کہ سرسری قصور پر بھی نہ مارے، ہاں قصور زیادہ ہو تو پھر مارنے کی اجازت ہے، مگر اس سے پہلے ذرا دیکھ بھی لے کہ پہلے اور دوسرے درجہ پر عمل کیا یا نہیں؟ لوگ بالخصوص دوسرے درجہ پر تو عمل کرتے ہی نہیں، کیونکہ اس میں ان کا ذاتی مجاہدہ ہے، اور سیدھے آخری درجہ اختیار کر لیتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ پھر غور کا مقام ہے کہ گو آخری درجہ میں مارنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر شریعت نے مارنے کو پسند نہیں کیا، نبی ﷺ نے کبھی کسی زوجہ کو نہیں مارا، اور نہ دوسروں کے لئے اس کو اچھا جانا۔

۶۹۳- **ضابطہ**: وہ اسماء (نام) جن کا مضاف الیہ صفات باری میں سے کوئی صفت ہو جیسے عبدالرحمن، عبدالرحیم، عبدالستار وغیرہ ان میں حذف مضاف کر کے صرف رحمٰن یا رحیم کے ساتھ پکارنا: جائز ہے، مگر کراہت سے خالی نہیں۔

تشریح: جائز اس لئے ہے کہ اس وقت مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے، لیکن چونکہ بظاہر اشتراک فی الصفت ہے اس لئے مکروہ ہے، بالخصوص ان اسماء میں جن میں ایسی صفت ہو جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جیسے غفار، رحمٰن وغیرہ میں ان حذف مضاف زیادہ قبیح ہے، برخلاف رحیم، رشید وغیرہ صفات کے کہ وہ مختص نہیں۔ (۱)

(۱) (احسن الفتاوی: ۸/۱۷۶، متفرقات الحظر و الإباحة، ملخصاً)

کتاب الوصایا

۶۹۴-**ضابطہ:** وصیت میراث کی بہن ہے۔[1]

تفریعات:

۱-پس جس طرح میراث بلاتعیین کل مال میں ثابت ہوتی ہے، وصیت بھی غیر معین کل مال میں ثابت ہوتی ہے — ہاں ورثاء موجود ہوں اوران کی جانب سے کل مال میں وصیت کی اجازت نہ ہوتو باعتبار مقدار ثلث مال کی تحدید ہوجاتی ہے، ثلث سے زیادہ کی وصیت باطل ہوتی ہے، باقی تعیین وتخصیص اس وقت بھی نہیں۔[2]

۲-کسی نے کوئی مال خریدا اور قبضہ سے پہلے مرگیا تو اس مال میں جس طرح میراث جاری ہوتی ہے؛ اگر وصیت کی تو وصیت بھی صحیح ہے۔[3]

۳-وارث اپنے مورث کی موت کے بعد اپنے حصۂ میراث میں قبل القبض تصرف کرسکتا ہے؛ موصی کی موت کے بعد موصی لہ بھی اپنے وصیت کردہ مال میں قبل القبض تصرف کرسکتا ہے۔[4]

---

(۱) الوصیة اخت المیراث۔ (قواعد الفقه، ص:۱۳۷ قاعدہ:۳۹۰)

(۲) ولا یختص المیراث بمال دون مال في الشرع فکذا الوصیة. (العنایة شرح الهدایة: ۳۵۲/۷، مسائل شتی من کتاب القضاء)

(۳) ولو مات قبل القبض صار ذلك میراثا لورثته، کذا الوصیة. (بدائع الصنائع: ۱۸۰/۵، کتاب البیوع، فصل فی شرائط الصحة فی البیوع)

(۴) وأما المیراث فالتصرف فیه جائز قبل القبض؛ لأن الوارث یخلف المورو ث في الملك، وکذا الموصی له؛ لأن الوصیة أخت المیراث. (تبیین الحقائق: ۸۲/۴، کتاب البیوع، فصل بیع العقار قبل قبضه)

۴-میراث میں ملکیت مورث کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، اس سے پہلے وارث کا انتقال ہوجائے تو اس کا حق ساقط ہوجاتا ہے، وصیت میں بھی ملکیت موصی کی موت کے بعد ثابت ہوگی؛ اگر موصی لہ اس سے پہلے مر گیا تو وصیت باطل ہوجائے گی، اور اس کے ورثاء اس مال کے حقدار نہ ہوں گے۔ (۱)

۵-وارث اپنے مورث کو قتل کردے تو اس کی میراث سے محروم ہوجاتا ہے؛ موصی لہ بھی اپنے موصی کو قتل کردے تو وصیت سے محروم ہوجاتا ہے۔ (۲)

۶-جنین (پیٹ میں موجود بچہ) وراثت کا استحقاق رکھتا ہے، اور اس کے حصہ کی میراث قواعد میراث کے حساب سے باقی رکھی جاتی ہے؛ وصیت میں بھی یہی حکم ہے، چنانچہ اگر کہا فلاں کی اولاد کے لئے یہ وصیت ہے تو اس میں جنین بھی شامل ہوگا۔ (۳)

۷-میراث میں مفقود شخص (یعنی وہ غائب وگم شدہ آدمی جس کا کوئی اتا پتہ نہ ہو) کا حق موقوف ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا حال معلوم ہوجائے؛ وصیت میں بھی یہی بات ہے، پس مفقود کے لئے وصیت نہ نافذ ہوگی اور نہ باطل، بلکہ اس کا حال معلوم

---

(۱) أن الموصى له لا يملك الموصى به في الحال وإنما يملك بعد الموت فأشبه الميراث فإذا احتمل الإرث احتمل الوصية التي هي أخت الميراث، وإذا مات الموصى له تبطل الوصية حتى لا تصير ميراثا لورثة الموصى له. (بدائع الصنائع: ۱۹۰/۶، كتاب الشرب)

(۲) ويروى أنه قال: "ليس لقاتل شيء" ذكر الشيء نكرة في محل النفي فتعم الميراث والوصية جميعا وبه تبين أن القاتل مخصوص عن عمومات الوصية؛ ولأن الوصية أخت الميراث ولا ميراث للقاتل. (بدائع الصنائع: ۳۳۹/۷، كتاب الوصايا)

(۳) ولو كانت له امرأة حامل دخل ما في بطنها في الوصية؛ لأن الوصية أخت الميراث. (بدائع الصنائع: ۳۴۵/۷، كتاب الوصايا)

ہونے تک موقوف رہے گی اگر وہ زندہ میسر آگیا تو نافذ ہوگی، ورنہ اس کے اقران وساتھیوں کی موت کے بعد موصی کے موجودہ ورثاء کو وہ مال لوٹا دیا جائے گا۔ [۱]

۶۹۵- ضابطہ: مجہول شخص کے لئے وصیت صحیح نہیں۔ [۲]

تشریح: مراد ایسا مجہول شخص ہے جس کی جہالت کا زائل کرنا ممکن نہ ہو جیسے کہا میں لوگوں میں سے ایک شخص کے لئے وصیت کرتا ہوں، یا فلاں کے تین لڑکوں میں سے ایک کے لئے وصیت کرتا ہوں اور تعیین نہیں کی کہ کونسا شخص اور کونسا لڑکا؟ تو یہ وصیت صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایسی جہالت ہے جس کا تدارک کسی طرح ممکن نہیں، پس موصی لہ کی عدم تعیین نفاذ وصیت میں مانع ہوگی۔ [۳]

لیکن اگر اس نے ورثاء سے کہا میرا اتنا مال کار خیر میں صدقہ کرنا، یا مدرسہ یا مسجد میں دینا، یا فقراء کو دینا اور تعیین نہیں کی کہ کونسا کار خیر؟ کونسا مدرسہ و مسجد؟ اور کونسے فقراء؟ تو یہ وصیت صحیح ہے، اور ورثاء اپنی مرضی سے جو بھی مناسب کار خیر یا مدرسہ و مسجد یا فقراء سمجھیں خرچ کریں گے، کیونکہ یہ صدقہ کی وصیت ہے اور اس میں حصول مقصد کے لئے صرف مصرف کا ذکر ہی کافی ہے، فرد کی تعیین ضروری نہیں۔ [۴]

---

(۱) وإذا أوصی رجل للمفقود بشيء لم أقض بها ولم أبطلها؛ لأن الوصية أخت الميراث، وفي الميراث تحبس حصة المفقود إلى أن يظهر حاله، كذا ههنا. (المحيط البرهانی: ۴۵۶/۵، كتاب المفقود)

(۲) الوصية للمجهول لا تصح. (قواعد الفقہ، ص: ۱۳۷، قاعدہ: ۳۹۱)

(۳) ومنها أن لا يكون مجهولا جهالة لا يمكن إزالتها، فإن كان لم تجز الوصية له... وعلى هذا يخرج ما إذا أوصى بثلث ماله لرجل من الناس إنه لا يصح بلا خلاف.. الخ (بدائع الصنائع: ۳۴۲/۷، كتاب الوصايا)

(۴) أوصى بالثلث في وجوه الخير يصرف الى القنطرة أو بناء المساجد أو طلبة العلم. (لسان الحكام: ۴۱۸/۱، الفصل السابع والعشرون)

۶۹۶- ضابطہ: وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں۔

تشریح: یہ مشہور روایت کا جزو ہے، پوری روایت ہے: "اللہ تعالیٰ نے (احکام میراث نازل کرکے) ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لوگو سنو! اب کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں" بعض راویات میں: إلاأن یجیزہ الورثاء (مگر ورثاء اس کی اجازت دیں) کا اضافہ ہے؛ کیونکہ یہ حکم ورثاء کے حق کی وجہ سے تھا، تو اگر وہ خود ہی اجازت دیتے ہیں تو پھر وصیت نافذ ہوگی، کہ آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے۔(۱)

اور وارث سے مراد جس کو ترکہ میں سے کچھ حصہ ملتا ہو، خواہ ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبہ میں سے، لیکن اگر وہ کسی وجہ سے محروم ہو رہا ہے تو وہ وارث نہیں، اس کے لئے وصیت صحیح ہے، جیسے بیٹا موجود ہو تو پوتا محروم ہوتا ہے اور مذکر اولاد کی وجہ سے بہن محروم ہوتی ہے تو اس وقت پوتے اور بہن کے لئے وصیت صحیح ہے۔

۶۹۷- ضابطہ: مرض وفات میں ہدیہ وصدقہ وصیت کے حکم میں ہے۔(۲)

تشریح: جس بیماری کے بعد صحت نہ ہوئی ہو وہ مرض وفات ہے۔ علماء نے ایڈز اور کینسر جو آخری مرحلہ پر ہو اس کو بھی مرض وفات میں شمار کیا ہے۔

تفریع: پس کسی نے مرض وفات میں اپنے وارث کو کچھ ہبہ کیا تو صحیح نہ ہوگا، اس میں سب ورثاء کا حق رہے گا، کیونکہ وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا — اسی طرح اگر غیر وارث کے لئے ہبہ یا صدقہ کیا تو صرف ثلث مال تک معتبر ہوگا

(۱) إن اللہ أعطی کل ذي حق حقه ألا لا وصیة لوارث، وهذا حدیث مشهور تلقته العلماء بالقبول والعمل به... وفي بعض الروایة قال: "إلا أن یجیزه الورثة" وفي هذه الزیادة بیان أن المراد نفي الجواز لا نفي التحقیق. (المبسوط للسرخسي: ۲۷/۱۴۳، کتاب الوصایا)

(۲) التبرع فی المرض وصیة. (قواعد الفقه ۶۸، قاعده ۷۵)

ثلث سے زیادہ صحیح نہ ہوگا، مگر یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دیں۔

۶۹۸- **ضابطہ:** جس شخص کا تبرع واحسان کے طور پر خرچ کرنا صحیح نہیں: اس کی وصیت صحیح نہیں۔[1]

تفریع: پس مجنون، اور بچہ کی وصیت صحیح نہیں۔ پھر بچہ خواہ مراہق (قریب البلوغ) ہو یا غیر مراہق؛ ماذون فی التجارۃ ہو یا مجور سب کا حکم یکساں ہے۔[2]

۶۹۹- **ضابطہ:** وصیت میں موصی (وصیت کرنے والے) کی رضامندی ضروری ہے۔

تفریع: پس اگر مذاق میں یوں ہی وصیت کی، حقیقت مراد نہیں تھی؛ یا خطاء ہوگئی یعنی زبان سے بے اختیار وصیت کا لفظ نکل گیا جبکہ مقصود کچھ اور کہنا تھا؛ یا کسی نے زبردستی ڈرادھمکا کر وصیت کروائی؛ تو ان سب صورتوں میں وصیت صحیح نہ ہوگی، کیونکہ ہزل، خطا اور اکراہ یہ ایسے عوارض ہیں: جو رضامندی کو فوت کردیتے ہیں۔[3]

۷۰۰- **ضابطہ:** وصیت کا از قبیل صلہ یا قربت ہونا ضروری ہے، ورنہ باطل ہوگی۔

تشریح: صلہ سے مراد مطلق انسانی ہمدردی واحسان ہے، خواہ اس میں قربت کے معنی ہو یا نہ ہو پس فاسق شخص و مالدار کے لئے بھی وصیت صحیح ہے۔

---

(۱) ولا تصح الوصية إلا ممن يصح تبرعه. (الفتاوىٰ الهندية: ۹۲/۶، كتاب الوصايا)

(۲) فلا تصح من المجنون والمكاتب والمأذون... ولا تجوز وصية الصبي عندنا إذا لم يكن مراهقا وكذا إذا كان مراهقا، كذا في فتاوى قاضي خان وسواء كان الصبي مأذونا في التجارة أو محجورا. (الحوالة السابقة)

(۳) ومنها رضا الموصي... فلا تصح، وصية الهازل، والمكره، والخاطئ؛ لأن هذه العوارض تفوت الرضا. (بدائع الصنائع: ۳۳۵/۷، كتاب الوصايا)

اور قربت کا مطلب ہے: شرعاً جس میں ثواب کا پہلو ہو، جیسے فقراء، ومساکین کو دینا اور مساجد و مدارس میں صرف کرنا وغیرہ۔ (۱)

تفریع: پس اگر کسی گناہ کی وصیت کی مثلاً میرے مرنے کے بعد نوحہ کیا جائے؛ یا میرے مال سے تیجہ، چالیسواں وغیرہ کیا جائے؛ یا میری قبر کو پختہ بنایا جائے؛ تو یہ وصیت باطل اور ناقابل نفاذ ہے — نیز اگر وصیت کی کہ میرا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں لگایا جائے تو یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ عام فتویٰ اس کے عدم جواز کا ہے۔ (۲)

اسی طرح اگر وصیت کی مجھے فلاں کپڑے ہی کا کفن پہنایا جائے؛ یا فلاں شہر منتقل کیا جائے؛ یا میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے؛ یا میری قبر پر یہ مخصوص ورد پڑھا جائے؛ تو یہ وصیت بھی باطل ہے، یعنی اس پر عمل ضروری نہیں، کیونکہ- اگرچہ ان میں سے بعض میں فضیلت کا پہلو ہوسکتا ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے- ان سب میں نہ صلہ ہے اور نہ قربت، بلکہ نماز کی وصیت میں ولی کے حق کا بطلان بھی ہے، پس اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (۳)

---

(۱) اللهم إلا أن يفرق بأن الوصية إما صلة أو قربة وليست هذه واحدة منهما فبطلت، بخلاف الوصية لفاسق فإنها صلة لها مطالب من العباد فصحت وإن لم تكن قربة كالوصية لغني، لأنها مباحة وليست قربة كما مر. (ردالمحتار: ۶/۶۹۰، باب الوصية للأقارب وغيرهم)

(۲) والوصية بالمعاصي لا تصح. (بدائع الصنائع: ۷/۳۴۱، كتاب الوصايا)

(۳) أوصى بأن يصلي عليه فلان أو يحمل بعد موته إلى بلد آخر أو يكفن في ثوب كذا أو يطين قبره أو يضرب على قبره قبة أو لمن يقرأ عند قبره شيئا معينا فهي باطلة سراجية. (الدر المختار) (قوله أوصى بأن يصلي عليه فلان) لعل وجه البطلان أن فيها إبطال حق الولي في الصلاة عليه. (ردالمحتار: ۶/۶۶۶، كتاب الوصايا)

کتاب الفرائض

۱۰۷-ضابطہ: وارث کے لئے بعینہ وہی ملک ثابت ہوتی ہے جو مورث کے لئے ہوتی ہے (ملک جدید ثابت نہیں ہوتی)[۱]

تفریعات:

۱-پس مورث کے خریدے ہوئے مال میں کوئی عیب ہو تو وارث کو خیار عیب حاصل ہوگا، وہ بائع کو واپس لوٹا سکتا ہے؛ اسی طرح مورث سے خریدنے والا شخص بھی مال میں کوئی عیب دیکھے تو وارث کو واپس کر سکتا ہے — اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خیار عیب موروث ہوتا ہے۔[۲]

۲-قسم کھائی کہ زید کی کمائی میں سے کچھ نہ کھاؤں گا، پھر زید کا انتقال ہو گیا اور اس کا کمایا ہوا مال وارث کے پاس سے کھایا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ یہ بعینہ وہی ملک ہے جو مورث کی تھی، ملک جدید نہیں ہے۔[۳]

برخلاف میراث کے علاوہ دوسرے اسباب: وصیت، بیع وغیرہ سے جو ملک ثابت ہوتی ہے وہ ملک جدید شمار ہوتی ہے، پس اس میں مذکورہ بیع کے مسئلہ میں مالک کو خیار عیب حاصل نہ ہوگا اور نہ اس پر عیب کی وجہ سے رد کیا جائے گا، اسی طرح قسم کے مسئلہ میں حالف نے اس کے پاس سے کھایا تو حانث نہ ہوگا۔[۴]

---

(۱) الملک الثابت للوارث هو الملک اللذی کان للمورث. (قواعد الفقه، ص:۱۲۸، قاعده:۳۴۶)

(۲تا۴) الثابت للوارث عین ما کان للمورث وإنما هو خلفه قائم مقامه ولهذا یرد الوارث بالعیب ویرد علیه، وملك المورث مضمون الرد مستحق الفسخ بخلاف الموصی له فإن الثابت ملك جديد حصل بسبب جديد ولهذا لم ←

☐ استدراک: لیکن زکوۃ کے مسئلہ سے اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ وارث کے پاس ازسرنو حولان حول کیوں شمار کیا جاتا ہے مورث کے پاس گزرے ہوئے ایام کیوں معتبر نہیں؟ جبکہ یہ بعینہ وہی مال ہے؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوۃ کا تعلق عبادت سے ہے، اور عبادت میں ہر شخص مستقل ہوتا ہے دوسرے کا تابع نہیں۔

۷۰۲- **ضابطہ**: جو شخص وقت سے پہلے کسی چیز کو حاصل کرنا چاہے اس کی سزا محرومی ہے۔[1]

تفریعات:

۱- چنانچہ مورث کا قاتل - خواہ قتل عمداً کیا ہو یا شبہ عمد سے - اس کی وراثت سے محروم ہوگا۔[2]

۲- مرض وفات میں شوہر اپنی بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر طلاق دے کر علاحدہ کردے تو وہ "فار" شمار ہوگا یعنی عورت کو میراث سے محروم کرکے بھاگنے والا، پس سزاءً اس کو اپنے مقصد سے محروم رکھا جائے گا اور عورت کو اس کا حق میراث دیا جائے گا — لیکن خیال رہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ مرض وفات میں طلاق کے بعد عورت کی عدت ہی میں شوہر کا انتقال ہوگیا ہو، عدت کے بعد انتقال ہوا تو وہ "فار" شمار نہ ہوگا اور عورت

← يرد بالعيب ولا يرد عليه وإنه لم يكن مستحق الفسخ. (بدائع الصنائع: ۳۰۲/۵، كتاب البيوع، خيار الرؤية)

ولو حلف من كسب فلان فاكتسب المحلوف عليه مالاً، ومات وورثه رجل وأكله الحالف يحنث في يمينه، لأن الثابت للوارث غير ما كان ثابتاً للمورث ...بخلاف ما لو ينقل إلى غيره بغير الميراث بشراء أو وصية. الخ (المحيط البرهاني: ۲۹۲/۴، آخر كتاب الأيمان)

---

(۱) من استعجل شيئا قبل أوانه عوقب بحرمانه (قواعد الفقہ، ص:۱۲۹؛ قاعدہ:۳۵۰)

(۲) (هدایه: ۴۴۳/۴ کتاب الجنایات)

میراث سے محروم رہے گی۔ [1]

۷۰۳- ضابطہ: انسان موت کے بعد کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ [2]

تفریعات:

۱- پس وہ بچے جن کے والد کا انتقال دادا سے پہلے ہو گیا اپنے چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے محروم ہوں گے، کیونکہ موت کی وجہ سے ان کے والد کے لئے دادا کے ترکہ میں کوئی ملک ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے واسطے سے ان بچوں تک پہنچے ـــــ البتہ ایسی صورت میں دادا ان یتیم بچوں کے لئے اپنے تہائی مال میں سے وصیت کرسکتا ہے، بلکہ اخلاقاً کرنا چاہئے۔

۲- کوئی شخص وصیت کرے کہ موت کے بعد میرے اعضاء فلاں مریض کو یا فلاں ہسپتال کو دے جائیں تو یہ وصیت صحیح نہیں، کیونکہ انسان جب اپنی زندگی میں اپنے جسم کا مالک نہیں تھا تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا، اور غیر ملک کی وصیت صحیح نہیں۔

استثناء: البتہ اس ضابطہ سے ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ: کسی نے شکار کے لئے جال بچھائی، پھر مر گیا اور شکار اس جال میں اس کی موت کے بعد آ کر پھنسا تو یہ اس کا مالک ہوگا، اور اس میں وراثت جاری ہوگی۔ [3]

(۱) وإذا طلق الرجل امرأته في مرض موته، وهذا يسمى طلاق الفار. والأصل فيه أن من أبان امرأته في مرض موته بغير رضاها وهي ممن ترثه ثم مات عنها وهي في العدة ورثته خلافا للشافعي. قيد... بالموت في العدة لأنها إن ماتت بعد انقضائها لم ترث خلافا لمالك. (العناية شرح الهداية: ۱۴۵/۴، باب طلاق المريض، ط: دار الفكر بيروت)

(۲) الميت لايملك بعد الموت. (قواعد الفقه، ص: ۱۳۱، قاعده: ۳۶۵)

(۳) إلا إذا نصب شبكة للصيد ثم مات فتعقل الصيد فيها بعد الموت، فإنه يملكه ويورث عنه، كذا ذكره الزيلعي. (قواعد الفقه، حاشية، ص: ۱۳۱، بحواله: الأشباه: ۴۶۶)

۷۰۴-**ضابطہ**: ذوالواسطہ واسطہ کے ہوتے ہوئے محروم ہوتا ہے۔[۱]

تشریح: یعنی جو وارث میت کی طرف کسی واسطے سے منسوب ہو وہ اس واسطہ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا، جیسے دادا باپ کے ہوتے ہوئے اور پوتا بیٹے کی موجودگی میں محروم ہوتا ہے، علی ہذا۔

البتہ اخیافی بھائی بہن ماں کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے، یہ استثنائی صورت ہے، وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو پورے ترکہ کی مستحق ہوتی ہے اور نہ ہی دونوں کا سبب ارث ایک ہے، کیونکہ ماں کا سبب ارث امومت (رشتۂ مادری) ہے اور اخیافی بھائی بہن کا سبب ارث اُخوت (رشتۂ برادری) ہے۔[۲]

۷۰۵-**ضابطہ**: محروم کسی کو محجوب نہیں کرسکتا، جبکہ محجوب دوسرے کو حجب نقصان اور حجب حرمان دونوں طرح سے محجوب کرسکتا ہے۔[۳]

تشریح: محروم وہ ہے جس میں ایسا مانع پایا جائے جو اس کے استحقاق ارث کی اہلیت کو ختم کردے، جیسے قتل مورث اور کفر وغیرہ۔ اور محجوب وہ ہے جس میں استحقاق کی اہلیت تو ہو مگر دوسرے وارث کی وجہ سے اس پر حجب طاری ہوجائے، پھر یہ حجب دو طرح سے ہوتا ہے: ایک حجب نقصان یعنی حصہ کم ہوجانا جیسے پوتی کا حصہ نصف ہے مگر صلبی بیٹی موجود ہو تو سدس ہوجاتا ہے، دوسرے: حجب حرمان، یعنی دوسرے وارث کی وجہ سے وراثت سے بالکل محروم ہوجانا، جیسے بہنیں بیٹے کی موجودگی میں بالکل محروم ہوجاتی ہیں۔

اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ محروم کسی کو محجوب نہیں کرسکتا ہے نہ حجب حرمان سے

---

(۱) کل من یدلی إلی المیت بشخص لایرث مع وجود ذالک الشخص. (سراجی، باب الحجب)

(۲) سوأولاد الأم فإنهم یرثون معها لانعدام استحقاقها جمیع الترکة. (الحوالة السابقة)　(۳) (سراجی، باب الجب)

اور نہ حجب نقصان سے، ہمارے یہاں یہی مفتی بہ ہے (البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم شخص حاجب بہ حجب نقصان بن سکتا ہے، مثلاً کسی میت کے ورثاء میں: بیوی، اخیافی بہن اور کافر لڑکا ہو تو ہمارے نزدیک کافر لڑکے کو کالعدم سمجھا جائے گا، اس کی وجہ سے اخیافی بہن محروم نہ ہوگی اور نہ بیوی کا حصہ ربع سے ثمن ہوگا، البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافر لڑکے کی وجہ سے اگرچہ اخیافی بہن محجوب نہ ہوگی، مگر بیوی کا حصہ ربع سے سدس ہو جائے گا) —— مگر محجوب دوسرے کو حجب نقصان اور حجب حرمان دونوں طرح سے محجوب کر سکتا ہے، جیسے میت کے ورثاء میں باپ، ماں، دو بھائی بہن اور نانی ہو تو دو بھائی بہن باپ کی وجہ سے محجوب ہو جائیں گے لیکن ماں کے لئے حاجب ہوں گے ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ثلث سے سدس میں بدل جائے گا، اور ماں جو کہ حجب نقصان کے ساتھ محجوب ہوئی ہے، نانی کے لئے حاجب ہوگی، اس کی وجہ سے نانی بالکل محروم ہو جائے گی۔

انتباہ: محروم اور محجوب کے درمیان مذکورہ بالا فرق اصطلاحی ہے، تاہم محجوب بہ حجب حرمان پر بھی محروم کا اطلاق کر دیتے ہیں —— اصحاب درس عموماً صرف حرف "م" لکھتے ہیں اور لکھاتے ہیں کیونکہ "م" سے محجوب اور محروم دونوں مراد لے سکتے ہیں۔

فائدہ: چھ افراد ایسے ہیں جو کبھی حجب حرمان کے ساتھ محجوب نہیں ہوتے، وہ یہ ہیں: زوج، زوجہ، اب، ام، ابن، بنت۔

۷۰۶- **ضابطہ:** ہر وہ مذکر جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں درمیان میں مؤنث کا واسطہ نہ آئے وہ عصبہ بنفسہ ہے۔(۱)

جیسے:

بیٹا پوتا؛ باپ دادا؛ بھائی بھتیجا؛ چچا و چچازاد بھائی —— یہ کل چار قسم کے رشتہ دار ہیں ان میں استحقاق کے اعتبار سے وہی ترتیب ہے جو درج کی گئی کہ پہلے رشتۂ بنوت

(۱) (أما العصبة بنفسه فكل ذكر لا تدخل في نسبته إلى الميت أنثى. (سراجی:۵)

، پھر اُبوت ، پھر اُخوت ، پھر عمومت ، پس بیٹے و پوتے کی موجودگی میں باپ دادا، اور باپ دادا کی موجودگی میں بھائی بھتیجے اور بھائی بھتیجوں کی موجودگی میں چچا و چچازاد بھائی عصبہ نہیں ہو سکتے ــــ پھر اگر ایک ہی قسم میں سے متعدد جمع ہو جائیں جیسے بیٹا اور پوتا تو قرب قرابت سے ترجیح ہوگی اور پوتا محروم ہوگا ــــ اور اگر اس میں بھی مساوات ہو جیسے دو بھائی تو قوت قرابت کو ملحوظ رکھا جائے گا: حقیقی بھائی عصبہ ہوگا علاتی بھائی محروم ہوگا۔

پس اس ضابطہ سے وہ تمام رشتہ دار نکل گئے جو مؤنث کے واسطہ سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں، مثلاً نانا (اب الام) کہ ماں کے واسطے سے ہوتا ہے، نواسہ (ابن البنت) کہ لڑکی کے واسطے سے ہوتا ہے، پس یہ عصبہ بنفسہ نہیں ہو سکتے ــــ اور جو رشتہ دار مذکر و مؤنث دونوں کے واسطے سے منسوب ہوتے ہیں: ان میں مذکر ہی کا اعتبار ہوتا ہے مؤنث کا نہیں، جیسے حقیقی بھائی (اخ لاب وام) البتہ مؤنث کا واسطہ ترجیح کا سبب ضرور بنتا ہے، جیسے اگر حقیقی بھائی اور علاتی بھائی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو صرف حقیقی بھائی کو وراثت ملے گی جیسا کہ بیان ہوا، وجہ ترجیح ماں کا رشتہ ہے، اس لئے کہ باپ کے رشتہ میں تو دونوں برابر ہیں، لیکن حقیقی بھائی کو ماں کے رشتہ میں علاتی بھائی پر ایک گونا فوقیت حاصل ہے۔

۷۰۷- **ضابطہ**: ہر وہ مؤنث جس کا حصہ تنہا ہونے کی صورت میں نصف اور ایک سے زائد ہونے کی صورت میں ثلثان ہے وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوتی ہے۔[۱]

تشریح: ایسی عورتیں کل چار ہیں: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور علاتی بہن، پس بیٹی بیٹے کے ساتھ؛ پوتی پوتے کے ساتھ؛ حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ؛ اور علاتی بہن

(۱) وعصبة بغيره وهي كل أنثى تصير عصبة بذكر يوازيها كالبنت مع الابن.
(البحر الرائق: ۸/۵۶۷، أنواع الحجب)

علاتی بھائی کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوگی، اور دیگر ذوی الفروض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو ملے گا، اور وہ دونوں بھائی بہن خود آپس میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم کریں گے۔

پس جن عورتوں کا حصہ وہ نہیں جو ضابطہ میں مذکور ہے (یعنی نصف وثلثان) یا وہ عورتیں اصحاب فرائض ہی میں سے نہیں ہیں: وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر نہ ہوں گی، جیسے اخیافی بہن اخیافی بھائی کے ساتھ؛ پھوپھی چچا کے ساتھ؛ چچازاد بہن چچازاد بھائی کے ساتھ؛ عصبہ بالغیر نہیں ہوگی۔

۷۰۸- **ضابطہ**: بہنوں کو بنات کے ساتھ عصبہ بناؤ۔[1]

تشریح: یہ بخاری شریف کی ایک روایت[2] سے ماخوذ ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فیصلۂ نبوی کے مطابق اسی طرح فیصلہ کیا، جس کو فقہاء بطور ضابطہ اس طرح بیان کرتے ہیں: "اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة" بہنوں کو بنات کے ساتھ عصبہ بناؤ، پس یہ جملہ حدیث نہیں ہے البتہ حدیث سے مستنبط ہے۔

اور بہنوں سے مراد حقیقی اور علاتی بہنیں ہیں، اخیافی بہن اس میں شامل نہیں، کیونکہ بنوالام یعنی اخیافی بھائی بہن تو بنات بلکہ مطلق اولاد سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اور بنات کے لفظ میں بنات الابن (پوتیاں) بھی شامل ہیں، پس بہنیں پوتیوں سے بھی عصبہ ہوں گی۔

اور سراجی میں ہے: ہر وہ مؤنث جو دوسری مؤنث کی وجہ سے عصبہ ہوتی ہے وہ عصبہ مع غیرہ (یا مع الغیر) کہلاتی ہے۔

۷۰۹- **ضابطہ**: عصبات کی متعدد انواع- بنفسہ، بغیرہ اور مع غیرہ- ایک

(۱) (الاختیار لتعلیل المختار: ۵/۹۴، فصل فی الحجب)

(۲) (بخاری: ۲/۹۹۷، حدیث: ۶۷۴۹، کتاب الفرائض)

ساتھ جمع ہوں تو ان میں ترجیح قرب قرابت سے ہوگی۔ (۱)

تشریح: یعنی ان میں جو میت کے زیادہ قریب ہوگا وہی مستحق ہوگا باقی محروم ہوں گے، جیسے کسی نے اپنے پیچھے بیٹی، حقیقی بہن اور ایک بھتیجا چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور باقی ماندہ حقیقی بہن کو ملے گا جو عصبہ مع غیرہ ہے اور بھتیجا جو عصبہ بنفسہ ہے محروم ہوگا کیونکہ بھتیجے کی بنسبت حقیقی بہن میت سے زیادہ قریب ہے، وعلی ھذا القیاس.

۱۰۷-**ضابطہ**: جو شخص زنا سے لڑکے کا دعویٰ کرے تو وہ لڑکا اس کا وارث نہ ہوگا اور نہ وہ اس لڑکے کا واث ہوگا۔ (۲)

تشریح: زنا سے کوئی نسب ثابت نہیں ہوتا، حدیث شریف میں ہے: الولد للفراش وللعاھر الحجر لڑکا اس شخص کا ہوگا جس کے نکاح میں پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے، پس جب زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا تو کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ یہ میرا لڑکا ہے جو میرے زنا سے پیدا ہوا ہے تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے، وہ لڑکا اس کا وارث نہ ہوگا اور نہ وہ زانی اس کا وارث ہوگا۔

تفریع: ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا، اس سے حمل ٹھہر گیا، پھر جب حمل ظاہر ہوگیا ان دونوں نے نکاح کرلیا، پھر نکاح کے بعد عورت نے چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدت میں بچہ جنا تو بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت ہوجائے گا اور وہ بچہ اس کا وارث ہوگا؛ لیکن اگر چھ مہینے سے کم میں بچہ جنا، تو نسب ثابت نہ ہوگا اور وارث بھی نہ ہوگا، مگر یہ کہ وہ شخص صرف لڑکے دعوی کرے یعنی کہے یہ مجھ سے ہے اور زنا کا دعوی نہ

(۱) إذا اجتمعت العصبات و بعضها عصبة بنفسها و بعضها عصبة بغيرها و بعضها عصبة مع غيرها فالترجيح منها بالقرب إلى الميت. (البحر الرائق: ۵۶۸/۸، أنواع الحجب)

(۲) من ادعى ولدا من غير رشدة فلايرث ولايورث. (ابو داود، حديث: ۲۲۶۴، كتاب الطلاق)

کرے، تو پھر فراش کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے نسب ثابت کردیں گے۔ [1]

کتاب الإیمان والعقائد

۱۱۷- **ضابطہ**: حرام کو حلال (یا برعکس) اعتقاد رکھنے سے آدمی اس وقت کافر ہوتا ہے جبکہ وہ چیز حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو ——اگر حرام لغیرہ دلیل قطعی سے ثابت ہو؛ یا حرام لعینہ اخبار آحاد سے ثابت ہو اور اس کے متعلق ایسا اعتقاد رکھے تو کافر نہ ہوگا۔ [2]

تشریح: حرام لعینہ وہ ہے: جو بالذات حرام ہو، غیر کی وجہ سے اس میں حرمت نہ آئی ہو جیسے زنا، لواطت، مردار، شراب وغیرہ۔

اور دلیل قطعی سے مراد: نص قرآنی اور حدیث متواترہ ہے جس میں قطعی پہلو ہوتا ہے، جانب مخالف کا احتمال نہیں ہوتا، جیسے نماز روزہ وغیرہ کی فرضیت، اور مسواک، تہجد وغیرہ کی سنیت اور جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

البتہ کہا گیا کہ: حرام لعینہ اور لغیرہ کی مذکورہ تفصیل عالم سے متعلق ہے، جاہل چونکہ اس میں فرق نہیں کرسکتا ہے، اس لئے اس کے حق میں صرف دلیل قطعی اور ظنی کا

---

(۱) رجل زنى بامرأة فحملت منه فلما استبان حملها تزوجها الذي زنى بها فالنكاح جائز، فإن جاءت بالولد بعد النكاح لستة أشهر فصاعداً يثبت النسب منه وترث منه، لأنها جاءت به في مدة حمل بأنه عقيب نكاح صحيح، فإن جاءت به لأقل من ستة أشهر لا يثبت النسب ولا ترث منه إلا أن يقول: هذا الولد مني ولم يقل من الزنى. (المحيط البرهاني: ۱۲۵/۳، كتاب النكاح، الفصل السابع)

(۲) من اعتقد الحرام حلالا أو على القلب يكفر إذا كان حراما لعينه وثبتت حرمته بدليل قطعي. أما إذا كان حراما لغيره بدليل قطعي أو حراما لعينه بإخبار الآحاد لا يكفر إذا اعتقده حلالا. اهـ ومثله في شرح العقائد النسفية (ردالمحتار: ۲۹۷/۱، باب الحيض)

اعتبار ہوگا، اگر وہ حکم دلیل قطعی سے ثابت ہے تو کافر ہوجائے گا خواہ پھر وہ حرام لعینہ ہو یالغیرہ ـــ پس اس لحاظ سے کسی جاہل نے سود یا مال غیر کی حرمت کا انکار کیا تو کافر ہوجائے گا، کیونکہ سود یا مال غیر اگرچہ حرام لغیرہ ہے مگر اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے، اور ڈاڑھی تراشنا یا منڈانا- جو کہ حرام لعینہ ہے-کو حلال جانا تو کافر نہ ہوگا گو فاسق ہوگا، کیونکہ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں۔

ملحوظہ: اکثر کتب فقہ وفتاویٰ میں اسی طرح تفصیل کی گئی ہے، تاہم شرح الفقہ الاکبر میں ہے: ''جو شخص کسی متفق علیہ حکم مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، غسل جنابت وغیرہ کا انکار کرے، یا حرمت کی جانب میں شراب، زنا، لواطت، سود، قتل، یا کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کو حلال جانے یا اس میں متردد ہو: وہ کافر ہوگا'' (اس میں لعینہ یالغیرہ یا عالم اور جاہل کی کوئی تفصیل نہیں ہے)[1]

☐ پس اس کے مطابق کوئی شخص دار الحرب میں سود کو حلال جانے وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اس میں اختلاف ہے، لیکن مطلق سود کو حلال تصور کرے تو کافر ہوجائے گا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۱۷۲- ضابطہ: کلمات کفر کو علی سبیل الاختیار بولنے سے کفر صادق آجاتا ہے، خواہ اس پر اعتقاد ہو یا نہ ہو، گو ہنسی مذاق یا جہالت میں ہی وہ الفاظ ادا کئے ہوں۔(۲)

(۱) من جحد فرضا مجمعا علیه کالصلوٰۃ والصوم والزکاۃ والغسل من الجنابة کفر. قلت وفی معناه من أنکر حرمة محرما مجمع علیه کشرب الخمر والزنا وقتل النفس وأکل مال الیتیم والربوا... من أنکر حرمة الحرام المجمع علی حرمته أو شک فیها أی یسوی الأمر فیها کالخمر والزنا واللواطة والربوا أو زعم أن الصغائر والکبائر حلال، کفر. (شرح الفقه الأکبر: ص ۱۷۲- ۱۸۸، فصل فیما یتعلق بالقرآن والصلاۃ، وفصل فی الکفر صریحا وکنایة)

(۲) والحاصل أن من تکلم بکلمة الکفر هازلا أو لاعبا کفر عند الکل ولا ←

تشریح: عام طور پر فقہاء نے اعتقاد کے باب میں خاص طور پر جہالت کو عذر قرار نہیں دیا ہے۔ اور استہزاء ومذاق کی صورت میں اگرچہ اس اعتقاد پر وہ شخص رضامند نہیں ہوتا مگر چونکہ کفریات کو اپنا مقولہ بنا کر پیش کرتا ہے، اور اپنے اختیار سے بولتا ہے اس لئے کفر ثابت ہوجاتا ہے، اکثر کتب میں ایسا ہی ہے، تاہم مالابد منہ میں ہے کہ: ''اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے، کیونکہ کفر اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے''[1]۔ پس فتویٰ میں احتیاط برتی جائے گی، کیونکہ باب کفر میں ادنی بھی اختلاف کفر کے فتویٰ سے مانع ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) جہل کے متعلق بھی اختلاف نقل کیا گیا ہے، اس لئے اس میں بھی مفتی کو فتویٰ میں احتیاط ملحوظ رکھنا ہوگا۔

البتہ خطاء وچوک سے کلمۂ کفر کہہ دیا یعنی بولنے کچھ اور جارہا تھا اور بے اختیار کلمۂ کفر زبان سے نکل گیا تو بالاتفاق کافر نہ ہوگا، کیونکہ خطاء میں اختیار نہیں پایا جاتا ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: إن اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان. (ابن ماجہ، حدیث: ۲۰۴۳) —— اسی طرح اکراہ یعنی زبردستی سے کسی نے کلمۂ کفر کہلوایا اور اس نے دل میں ایمان رکھتے ہوئے صرف زبان سے کہا تو اس سے بھی کافر نہ ہوگا، قرآن مجید میں اس کا استثناء آیا ہے: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (سورۃ النحل، آیۃ: ۱۰۶)

تفریع: بعض مدارس میں مکالمات ومناظرات میں یہ جو طریقہ اپنایا جاتا ہے

← اعتبار باعتقادہ... ومن تکلم بھا عالما عامدا کفر عند الکل ومن تکلم بھا اختیارا جاھلا بأنھا کفر ففیہ اختلاف... لکن في الدرر وإن لم یعتقد أو لم یعلم أنھا لفظۃ الکفر ولکن أتی بھا عن اختیار فقد کفر عند عامۃ العلماء ولا یعذر بالجھل. (مجمع الأنھر: ۱/۶۸۸، باب المرتد)

---

(۱) اگر کسے کلمۂ کفر عمداً گفت لکن اعتقاد بکفر نہ کرد بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود کہ کفر از اعتقاد دارد و بعضے گفتہ اند کہ کافر شود کہ رضاست بکفر. (مالابد منہ: ۱۴۵)

کہ ایک بچہ باطل کی وکالت کرتے ہوئے خودکو کافر وغیرہ ظاہر کرتا ہے اور لباس بھی ویسا ہی پہنتا ہے: یہ جائز نہیں، بہت سخت بات ہے، اردو فتاویٰ: رحیمیہ، محمودیہ وغیرہ میں اس پر سخت نکیر کی گئی ہے، فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ: ''کسی طالب علم کا اپنے آپ کو ان فرقوں میں شمار کرنا اور اہل حق کی تضلیل وتکفیر کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، سخت معصیت ہے، بلکہ اپنے ایمان کا خطرہ ہے... مناظرہ کا طریق اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان باطل فرقوں کی طرف سے ایک کہے مثلاً قادیانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے، اگر رضاخانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے، فلاں جماعت نے آپ کے اکابر پر اعتراض کیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟ کفریات کو کبھی بھی اپنا مقولہ بنا کر پیش نہ کرے اگرچہ جعلی وکیل کی نیت سے ہو، ویسے بھی کلمۂ کفر کو زبان پر لانا موجب ظلمت ہے جب تک اس کی تردید نہ کی جائے'' اھ۔[1]

۱۳۷- **ضابطہ**: کفر پر رضامندی کفر ہے خواہ اپنے کفر پر رضامندی ہو یا دوسرے کے کفر پر۔[2]

تشریح: کوئی شخص کفریہ اعتقاد بالاختیار اپنی رضامندی سے اختیار کرے، یا دوسرے کے کسی ایسے اعتقاد وعمل پر رضامندی کا اظہار کرے یعنی اس کو جائز یا مستحسن سمجھے تو یہ کفر ہے۔

تفریعات:

(۱) کسی کافر کی تعظیم میں اس کی ذات اور اس کے کفر کی وجہ سے کھڑا ہوا تو یہ کفر ہے (ہاں اس کے شر سے بچنے کے لئے یا اس کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے یا اس سے کوئی دنیوی غرض مقصود ہے اس لئے تعظیم میں کھڑا ہوا تو پھر کفر نہ ہوگا)[3]

---

(۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۲۶۴ مایتعلق بألفاظ الکفر)

(۲) الرضا بالکفر کفر سواء کان بکفر نفسه او بکفر غیره .(شرح الفقه الأکبر: ۱۸۸)

←

(۲) کسی نے کہا: ''مسلمانوں سے تو کفار و یہودی اچھے'' تو اگر ان کے مذہب کو اسلام پر فوقیت دینے کی نیت سے کہا تو کافر ہو جائے گا؛ اور اگر ان کے اخلاق کی بنا پر کہا ہے یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے اخلاق عمدہ ہیں اس لئے اچھے ہیں تو کافر نہ ہوگا، تاہم ایسا کہنا صحیح نہیں، کہ مسلمان گو اخلاق میں کتنے ہی گرے ہوئے ہوں غیروں کے مقابلہ میں سچے مذہب کی بنیاد پر ہزاروں گنا افضل ہیں۔

۷۱۴- **ضابطہ**: دین کے کسی شعار یا اس کے کسی حکم -خواہ وہ حکم مسنون ہو- کی توہین یا تمسخر کفر ہے۔[۱]

تفریع: پس قرآن کی کسی آیت کی توہین کی یا اس کو ہلکا سمجھا؛ یا مسجد یا اذان وغیرہ کسی شعار دین کا تمسخر کیا؛ یا کسی سنت مثلاً مسواک وغیرہ کا بحیثیت سنت مذاق اڑایا؛ یا کہا ''میں سنت کو کچھ نہ جانوں'' یعنی سنت کو بے وقعت سمجھا؛ یا کسی عالم دین کی اس کے علم کی بنا پر توہین کی؛ یا جب اس کو کوئی حدیث سنائی گئی تو استخفافاً کہا ''ہم نے حدیثیں بہت سن رکھی ہے''؛ یا جب روزہ رکھنے کو کہا گیا تو کہا ''روزہ تو وہ رکھے جس کے گھر میں

← (۳) لو دخل ذمي على مسلم فقام له ليميل قلبه إلى الإسلام فلا بأس وإن لم ينو شيئا أو عظمه لغناه كره اهـ قال الطرسوسي: وإن قام تعظيما لذاته وما هو عليه كفر لأن الرضا بالكفر كفر فكيف بتعظيم الكفر. اهـ. قلت: وبه علم أنه لو قام له خوفا من شره فلا بأس أيضا. (ردالمحتار: ۲۰۸/۴، کتاب الجهاد باب العشر والخراج)

(۱) من أهان الشريعة أو المسائل التى لابد منها، كفر. (شرح الفقه الأكبر للقارى: ۱۷۴، فصل فى العلم والعلماء)

...وكذا في سائر السنن خصوصا في سنة هي معروفة وثبوتها بالتواتر...أو استخف بالقرآن أو بالمسجد أو نحوه مما يعظم فى الشرع...أو سخر بأية منه كفر. (مجمع الأنهر: ۶۹۲/۱-۶۹۳، کتاب السیر، الفاظ الکفر، النوع الثالث)

آٹا نہ ہو"؛ یا نماز کے متعلق بطور استخفاف کہا: "نماز تو گدھے بھی پڑھتے ہیں" تو ان سب صورتوں میں کفر صادق آجائے گا۔[۱]

اسی طرح کسی حرام کام میں بقصد استخفاف بسم اللہ پڑھا مثلاً جوا یا لاٹری میں بسم اللہ پڑھ کر پرچی اٹھائی؛ یا حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھا تب بھی کفر عائد ہو جائے گا ــــ (واضح ہو کہ بعض کتب میں اس موقع پر مطلقاً بسم اللہ پڑھنے کو کفر لکھا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر بقصد استخفاف بسم اللہ پڑھا تو کفر ہے اور بدون استخفاف میں اختلاف ہے صحیح اور راجح یہ ہے کہ کفر نہیں حرام ہے)[۲]

۷۱۵-**ضابطہ**: کفر کو شرط پر معلق کرنے میں- جیسے میں یہ کام کروں تو یہودی ہو جاؤں یا کافر ہو جاؤں یا میں اسلام سے بیزار ہوں یا خارج ہوں وغیرہ - اگر اس شرط کو بجالایا اور اس کا اعتقاد بھی یہ تھا کہ وہ اس سے کافر ہو جاتا ہے تو کافر ہو جائے گا؛ اور اگر اعتقاد ایسا نہ تھا تو کافر نہ ہوگا، بلکہ یہ یمین کہلائے گی اور صرف کفارۂ یمین لازم ہوگا۔

(فعل ماضی پر تعلیق کا بھی یہی حکم ہے، البتہ اس میں یمین والی جہت میں کفارہ نہ آئے گا، کیونکہ ماضی سے متعلق یمین "یمین غموس" ہوتی ہے اس میں صرف گناہ لازم ہے)[۳]

---

(۱)(مستفاد: الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۲، موجبات الكفر؛ ردالمحتار: ۲۲۲/۴، كتاب الجهاد، باب المرتد؛ مجمع الأنهر: ۶۹۲/۱، كتاب السير، الفاظ الكفر، النوع الثالث)

(۲)نعم التسمية على الحرام والمكروه مما لا ينبغي بل هي حرام في الحرام لا كفر على الصحيح مكروهة في المكروه وقيل مكروهة فيهما إن لم يقصد استخفافاً وإن قصده والعياذ بالله تعالى كفر مطلقاً. (روح المعانی: ۳۷/۱، فی بیان سورۃ الفاتحۃ)

۷۱۶- **ضابطہ:** قادر مطلق جل شانہ کے اوصاف خاصہ میں کسی مخلوق کو شریک کرنا شرک ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے اوصاف خاصہ: قادر مطلق ہونا، حاضر وناظر ہونا، علم غیب کلی یا علم ذاتی کا ہونا، تصرف کلی حاصل ہونا، عزت وذلت اور نفع ونقصان میں مؤثر حقیقی ہونا وغیرہ ہیں، اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفات ہے، اور توحید باری تعالیٰ میں عیب لگانا ہے۔[1]

تفریع: پس کہا: خدا رسول کو منظور ہو تو یہ کام ہوگا؛ یا میں خدا رسول کو گواہ بناتا ہوں[2]؛ یا میں اللہ رسول کو حاضر ناظر جان کر یہ بات کہتا ہوں؛ یا تم نے یہ کام نہیں کیا تو فلاں مرحوم بزرگ تمہیں دیکھ لیں گے یعنی بزرگ کی دوہائی دیتا ہے؛ یا کہتا ہے: یا علی مشکل کشا، یا پیران پیر المدد وغیرہ؛ تو یہ سب شرک کے کلمات ہیں، اللہ تعالیٰ کے

← (۳) ولو قال هو يهودي أو نصراني... وقال بعضهم لا يكفر ولا تلزمه الكفارة ولا تلزمه الكفارة لأنها غموس وإن حلف بهذه الألفاظ على أمر في المستقبل ثم فعل ذلك قال بعضهم لا يكفر وتلزمه الكفارة، والصحيح ما قاله بعض المشايخ أنه ينتظر إن كان في اعتقاد الحالف أنه لو حلف بذلك على أمر في الماضي يصير كافرا في الحال فيصير كافرا وإن حلف على أمر في المستقبل وفي اعتقاده أنه لو فعل ذلك يصير كافرا فإذا فعل ذلك يصير كافرا وإن لم يكن في اعتقاده ذلك لا يكفر سواء كانت اليمين على أمر في المستقبل أو في الماضي. (تبيين الحقائق: ۳/۱۱۱، كتاب الأيمان)

(۱) والشرک أن يثبت لغير الله سبحانه وتعالىٰ شيئا من الصفات المختصة كالتصرف فى العالم بالإرادة الذى يعبر عنه "بكن فيكون" أو العلم الذاتى من غير اكتساب بالحواس و دليل العقل و المنام و الإلهما و نحو ذالک، أو الإيجاد لشفاء المريض. (الفوز الكبير، ص: ۱۸)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان: ۳/۵۷۶، باب مايكون كفرا من المسلم و مالايكون)

صفات خاصہ میں اس کے نبی یا ولی کو شریک کرنا ہے۔

۷۱۷- **ضابطہ**: صحابہ کا صریحی اجماع آیت قرآنی اور حدیث متواترہ کی طرح ہے، اس کا منکر کافر ہے؛ اور صحابہ کا سکوتی اجماع یا ان کے بعد والوں کا وہ اجماع جس میں ان کے متقدمین کا کوئی اختلاف منقول نہ ہو: حدیث مشہورہ کے مانند ہے، اس کا منکر گمراہ اور فاسق ہے، کافر نہیں۔ (۱)

تشریح: پس یہ تین قسم کے اجماع ہیں، صرف اول کا منکر کافر ہے، ثانی اور ثالث کا منکر گمراہ ہے کافر نہیں۔

چنانچہ غیر مقلدین گو اجماع کے منکر ہیں، مگر وہ قسم اول (صحابہ کے صریحی اجماع) کے منکر نہیں ہیں، اس لئے ان پر کفر عائد نہیں ہوتا۔

اول کی مثال: خلافت ابوبکر پر اجماع، یا مانع زکوۃ سے قتال پر اجماع ہے۔

ثانی کی مثال: التقاء ختانین پر غسل واجب ہونا؛ جدہ کو سدس دینا وغیرہ ہے۔

ثالث کی مثال: خچر کی حرمت پر اجماع وغیرہ ہے۔

وضاحت: نیز صحابہ کے بعد والوں کا وہ اجماع جس میں ان کے اسلاف کا اختلاف ہو خبر واحد کی طرح ہے، اس کا منکر فاسق ہے، مگر اس درجہ کا نہیں جو حدیث مشہورہ کا منکر ہوتا ہے، پس اس میں فرق مراتب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

۷۱۸- **ضابطہ**: ہر مشرک کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں۔ (۲)

---

(۱) والمذکور فی اصول الحنفیة أن الإجماع علی مراتب، فالأقوی إجماع الصحابة مع تصریحهم بالحکم المجمع علیه وهو قطعی کالآیة والخبر المتواتر، ویکفر منکره، ثم الذی صرح به بعض الصحابة وسکت الباقون، ثم إجماع من بعد الصحابة علی حکم لم یظهر فیه خلاف ممن سبقهم وهما کالحدیث المشهور، ویضلل منکرهما ویفسق. الخ (شرح العقائد مع النبراس ۵۶۶-۵۶۷، فی حکم إنکار اللفظی مذاهب)

←

تشریح: کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا افعال وغیرہ میں کسی کو شریک کرے؛ اور کافر وہ ہے جو ان میں سے کسی کا انکار کرے۔

پس جو مشرک ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں وحدانیت کا ضرور منکر ہوگا، لیکن جو منکر ہوگا اس کی طرف سے شرک پایا جائے یہ ضروری نہیں، جیسے کوئی شخص ضروریات دین نصی قطعی وغیرہ کا انکار کرتا ہو؛ یا کوئی شخص خدا کا بالکل منکر ہو؛ یا ایک خدا کا قائل ہو، لیکن خدا کے تعین میں غلطی کرتا ہو، مثلاً حقیقی خدا کو چھوڑ کر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا و معبود مانتا ہو؛ تو یہ سب کافر ہیں، مگر مشرک نہیں، پس ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، جس میں ایک مادہ اجتماع کا اور ایک مادہ افتراق کا ہوتا ہے۔ (۱)

۷۱۹- **ضابطہ**: جب کوئی شخص زبان سے اسلام قبول کرے تو اس کا اعتبار ضروری ہے، گو اس کی طرف سے خلاف حقیقت کا احتمال ہو۔ (۲)

تشریح: قرآن مجید میں ہے: وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً [النساء: ۹۴] جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے تو اسے یوں مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے، نیز حضرت اسامہ بن زید اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

← (۲) أن کل مشرک کافر، ولیس کل کافر مشرکا. (الیواقیت والجواهر للشعرانی: ۱/۶۶، المبحث الأول)

(۱) فأما کفر المشرک فلعدوله عن أحدیة الإله، وأما شرکه فلأنه نسب الألوهیة إلی غیر الله مع الله، وجعل له نسبتین فأشرک، وأما وجه کونه لا یلزم أن یکون کل کافر مشرکا فهو أن الکافر هو الذی یقول: إن الإله واحد غیر أنه أخطأ فی تعیین الإله.. الخ (الحوالة السابقة)

(۲) وإذا أسلم یجب قبول ذلک منه لقوله تعالی... الخ (المبسوط للسرخسی: ۱۰/۱۰۰، کتاب السیر، باب المرتدین)

واقعات بھی اس پر شاہد ہیں، کہ نبی ﷺ نے انہیں ایسے شخص کے قتل پر تنبیہ کی تھی جس نے اسلام پیش کیا تھا مگر ظاہر حال اس کے خلاف لگ رہا تھا۔

پس جو بھی شخص اسلام پیش کرے اس کا اعتبار لازم ہے، خواہ کچھ قرائن سے ایسا لگتا ہو کہ یہ منافق ہے، یا دھوکے باز ہے، یا ڈر کی وجہ سے یا کسی دنیوی غرض کی وجہ سے اسلام قبول کر رہا ہے، کیونکہ ہم صرف ظاہر کے مکلف ہیں، باطن کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ نے جب اپنا عذر پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ھلا شققت قلبہ کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا (کہ وہ اپنے اسلام میں سچا ہے یا کھوٹا)

البتہ کوئی شخص اسلام لائے پھر مرتد ہو جائے، اور پھر اسلام لائے اور پھر مرتد ہو جائے اور بار بار ایسا کرتا رہے تو نوادر میں ہے کہ اس کو سخت مارا جائے گا پھر قید کر لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور اس کا سچا ہونا ثابت ہو جائے؛ اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس کو دھوکے سے قتل کر دیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ انتظار کیا جائے، جب وہ کلمۂ شرک زبان پر لائے تو قبل اس کے کہ وہ توبہ کرے اچانک قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس نے اسلام کے ساتھ خفت و تمسخر کا مظاہرہ کیا (مگر خیال رہے کہ یہ مسئلہ دار الاسلام سے متعلق ہے اور وہاں بھی عوام کو اس کا اختیار نہیں، بلکہ یہ کام عدالت کا ہے)[1]

۷۲۰- ضابطہ: بچہ والدین میں دین کے اعتبار سے جو بہتر ہو اس کے تابع

---

(۱) إلا أنه ذكر في النوادر أنه إذا تكرر ذلك منه يضرب ضربا مبرحا لجنايته ثم يحبس إلى أن يظهر توبته وخشوعه، وعن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - أنه إذا فعل ذلك مرارا يقتل غيلة، وهو أن ينتظر فإذا أظهر كلمة الشرك قتل قبل أن يستتاب، لأنه قد ظهر منه الاستخفاف. (الحوالة السابقة)

ہوگا۔[1]

تشریح: پس باپ مسلمان ہواور ماں غیر مسلم مثلاً کتابیہ (یعنی یہودیہ یا نصرانیہ) ہو یا برعکس صورت ہو یعنی ماں مسلمان ہواور باپ غیر مسلم ہوتو بچہ بہر صورت مسلمان شمار ہوگا، مردم شماری میں مسلم لکھا جائے گا، اور مرجائے تو تجہیز وتکفین وغیرہ میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر ماں مجوسیہ ہواور باپ کتابی ہو یا برعکس معاملہ ہوتو بچہ کتابی شمار ہوگا، کیونکہ اہل کتاب کا دین مجوس کے دین سے بہتر ہے، پس ماں باپ میں سے جو بھی بہتر دین پر ہوگا بچہ اس کے تابع ہوگا۔

۱۷۷- **ضابطہ:** کسی کے قول وعمل میں ننانوے وجوہات کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہوتو اسے کافر نہ کہیں گے۔

تشریح: کیونکہ کفر وشرک کا حکم لگانا شریعت میں بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، پس جب تک کسی بھی مسلمان کے قول وعمل کا صحیح محمل ذرا بھی نکلتا ہو (گو تاویل سے ہو) سخت حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے گی، کیونکہ ایک مسلمان کے فناء میں خطاء کرنے سے ہزار کافروں کی بقاء میں خطاء کرنا اہون ہے۔[2]

تاہم خیال رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں ننانوے کفر کی باتیں ہوں اور ایک بات ایمان کی ہوتو اس کو مومن ہی کہیں گے- جیسا کہ بعض نے ایسا سمجھ لیا ہے- بلکہ ایک بھی کفر کی بات قطعیت کے ساتھ ہوتو آدمی کافر ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں

(۱) الولد یتبع خیر الأبوین دینا. (قواعد الفقه: ۱۳۸، قاعده ۳۹٦)

(۲) وقد ذکروا أن المسئلة المتعلقة بالکفر إذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه، فالأولی للمفتی والقاضی أن یعمل بالاحتمال الثانی، لأن الخطأ فی إبقاء ألف کافر أهون من الخطأ فی إفناء مسلم واحد. (شرح الفقه الأکبر للقاری: ۱٦۲، مطلب فی التوبة وشرائطهما)

ہزاروں ایمان کی باتیں ہوں ——— بلکہ مطلب ہے کہ کوئی کلام یا عمل اس نے کفر یا شرک کا کیا جس میں مثلاً سو احتمالات ہیں، اور سب کے سب اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں، مگر صرف ایک احتمال اس کے ایمان پر دال ہے، تو اسی ایک احتمال کی بنا پر اس شخص کو کافر نہ کہیں گے۔ البتہ اگر وہ کفر والے احتمال کی خود صراحت کر دے، یا اس کی بات قطعی یعنی غیر محتمل ہو تو پھر اس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہے گا۔

تفریعات:

(۱) قبروں پر سجدہ کرنے والوں اور مرادیں مانگنے والوں کو مشرک و کافر ہونے کا فتویٰ نہ دیں گے، کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ سجدہ عبادت کا نہ کرتے ہوں بلکہ سجدۂ تعظیمی کرتے ہوں، اور مرادیں مانگنا وسیلہ کے طور پر ہو، بزرگ کو مؤثر حقیقی سمجھ کر نہ ہو۔ ہاں اگر مبتلی بہ خود ہی اس کے متعلق وضاحت کر دے تو پھر قطعی حکم ثابت کر دیں گے۔

(۲) کوئی شخص "یا رسول اللہ" وغیرہ سے نبی ﷺ کو دور سے خطاب کرتا ہے تو اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حاظر ناظر سمجھ کر کہتا ہے جو کہ شرک ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نیت سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ میرا یہ سلام بذریعہ فرشتہ یا براہ راست دربار اقدس میں پہنچا دیں گے، پس اس صحیح محمل پر محمول کرتے ہوئے اس پر شرک کا حکم نہ لگائیں گے۔

استدراک: خیال رہے تشہد میں جو یا ایہا النبی پڑھا جاتا ہے، وہ بطور حکایت ہے، بطور خطاب نہیں۔

(۳) اقبال مرحوم نے حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک شعر کہا ہے:

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی	مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

بظاہر اس شعر میں ولی کا درجہ نبی سے بڑھا دیا ہے جو کہ ایمان کے خلاف بات

ہے، مگر اس کا صحیح محمل بھی ہے، چنانچہ فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۴۴۰ میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: ''شعراء کے کلام میں بکثرت استعارات وکنایات ہوتے ہیں، ہر لفظ حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا، یہاں مسیح سے حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مراد نہیں، بلکہ ان کا وصف مشتہر مراد ہے، یعنی طبیب حاذق، جیسے حاتم سے سخی اور رستم سے پہلوان بکثرت مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح خضر سے راستہ بتانے والا مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ امراض جسمانی میں مبتلا شخص کو اگر طبیب حاذق مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس کو بڑی مسرت ہوتی ہے، اگر راہ گم کردہ مسافر کو رہنما مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، لیکن آپ کی لحد کی زیارت سے آپ کی متقیانہ ومجاہدانہ زندگی یاد کر کے دل زندہ ہوتا ہے جس سے انسان کی دنیوی واخروی زندگی درست ہو کر حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے، لہٰذا یہ نعمت نتائج وفوائد کے اعتبار سے ان دونوں نعمتوں سے بڑھ کر ہے''۔

۷۲۲- **ضابطہ:** جو کفر بالاتفاق ہے وہ اخروی اعمال اور نکاح کو باطل کر دیتا ہے؛ اور جس میں اختلاف ہے وہ باطل نہیں کرتا ہے، تاہم اس شخص کو توبہ، استغفار اور تجدید نکاح کا (احتیاطاً) حکم کیا جائے گا۔ (۱)

وضاحت: البتہ اتفاقی صورت میں گو اعمال باطل ہو جاتے ہیں، مگر عبادات میں صرف حج کی قضا لازم ہوگی، باقی عبادات کی قضا لازم نہیں۔ (۲)

انتباہ: کسی کی تکفیر کا مسئلہ نہایت نازک ہے، اس میں دونوں جہتوں کا خیال رکھنا

(۱) أن ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح، و ما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبة و تجدید النکاح و ظاهره أنه أمر احتیاط. (رد المحتار: ۴/ ۲۳۰، کتاب الجهاد، باب المرتد)

(۲) و لا یقضی من العبادات إلا الحج. (الدر، کتاب الجهاد، باب المرتد، ۴/ ۲۵۱)

ضروری ہے، جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے، اسی طرح کسی قطعی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا اس سے کم نہیں، ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إدخال کافر فی الملة الإسلامیة أو إخراج مسلم عنها عظیم فی الدین،[1] پس اس سلسلہ میں مفتی وقاضی کو نہایت تیقظ سے کام لینا ضروری ہے، اس میں عجلت وبے باکی نہایت خطرناک بات ہے، بلکہ جہاں ایک طرف کسی مسلمان کے قول وفعل میں کوئی ذراسی بھی تاویل کی گنجائش ہو یا معمولی سا بھی اختلاف ہو اس کو ہرگز کافر نہ بتلائے، تو دوسری طرف کسی میں بالاتفاق کوئی قطعی بات کفر کی ہو تو اس کو کافر کہنے سے دریغ بھی نہ کرے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ فرمایا ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (سورۃ النساء: ۹۴) تم اس شخص کو جو تمہارے سامنے اطاعت پیش کرے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے؛ دوسری جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلاً (سورۃ النساء: ۸۸) کیا تم چاہتے ہو کہ اس شخص کو ہدایت دو جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی ڈال رکھا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈالدیں اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

۷۲۳- ضابطہ: جو لوگ ایمان لائے وہ نبی ﷺ کی امت اجابۃ کہلاتے ہیں اور جو نہیں لائے وہ امت دعوۃ کہلاتے ہیں۔[2]

تشریح: اجابۃ کے معنی ہیں: قبول کرنا، چونکہ مومنین نے آپ کی دعوت قبول کرلی اس لئے وہ اجابۃ ہیں، اور جن کو یہ سعادت بوجہ ان کی شقاوت میسر نہ ہوسکی وہ ہنوز دعوۃ ہی ہیں یعنی دعوت ان تک پہنچ کر اتمام حجت ہوگئی، آگے وہ جانیں۔

۷۲۴- ضابطہ: اسلام میں بدشگونی اور بدفالی جائز نہیں، البتہ فال یعنی

(۱) (شرح الشفاء: ۲/ ۴۹۹، تحقیق القول فی اکفار المتؤلین)
(۲) (فیض القدیر: ۳/ ۱۴۷۰، تحت رقم الحدیث: ۱۶۲۱، ط: مصطفی الباز)

اچھا شگون جائز ہے۔[۱]

تشریح: حدیث شریف میں ہے: لا طیرۃ، یعنی اسلام میں بدشگونی کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، مثلاً فلاں دن میں یا فلاں مہینے میں نحوست ہے لہذا اس میں نکاح یا سفر نہیں کرنا چاہئے؛ یا الو جس گھر میں بسیرا کرے اس میں نحوست آتی ہے؛ یا بلی نے راستہ کاٹ لیا اس لئے سفر مناسب نہیں؛ وغیرہ: بدفالی لینا اسلامی عقیدے کے خلاف ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندے کو اڑا کر، یا نچھتر کے تیروں سے فال نکالتے تھے۔ جیسے اس زمانہ میں ہندو پنڈت مہرت نکالتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ پرندے کا دائیں یا بائیں اڑنا اور ترکش میں سے بزعم خویش اچھا اور برا تیر نکلنا یہ محض اتفاق ہے، خیر و شر سے اس کا کوئی تعلق نہیں —— ہمارے عرف میں جو فال کھولتے ہیں یعنی کسی کتاب کے ذریعہ احوال معلوم کرتے ہیں: یہ بھی طیرۃ ہے اور ناجائز ہے، لوگ اس طرح سے غیب جاننے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

البتہ فال یعنی خالص نیک شگون لینا جائز ہے، جیسے کسی اہم کام سے نکلا اور راستہ میں فلاح (کامیاب) نامی شخص ملا تو خوش ہو گیا، یہ نیک شگون ہے؛ حضرت الاستاذ - ادام اللہ فیوضہم - نے تحفۃ القاری شرح البخاری: ۱۰/۵۳۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ: "میں جب دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوا تو پہلے سال مسلم الثبوت بھی ملی: میرے کرم فرما حکیم سعد رشید اجمیری قدس سرہ کو میں نے خط سے مطلع کیا، انہوں نے جواب دیا: آپ کی حیثیت دارالعلوم میں مسلّم ہو گئی، یہ نیک فال ہے جو جائز ہے، نبی ﷺ کو ایسی نیک فال پسند تھی" اھ۔

۷۲۵- **ضابطہ:** ہر ایسا مباح و جائز کام جو جاہلوں کے گمان میں سنت یا

(۱) (صحیح بخاری: ۵۷۵۳، کتاب الطب، باب الطیرۃ)

وجوب تک پہنچادے وہ مکروہ ہے۔[۱]

جیسے: نماز میں متعین سورت کا پڑھنا؛ یا کسی خاص وقت میں معین قراءت پڑھنا وغیرہ جس کو جاہل لوگ مسلسل پڑھنے کی وجہ سے سنت یا واجب خیال کرنے لگیں مکروہ ہے، بلکہ بدعت اور گناہ ہے کیونکہ ایک چیز کو اس کے اصل مرتبہ سے بڑھا کر دین میں غلو پیدا کرنا لازم آتا ہے۔

بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ امر مندوب پر بھی اس طرح اصرار و دوام کہ اس کو واجب کی طرح لازم سمجھ لیا جائے حد کراہت تک پہنچا دیتا ہے۔[۲]

ملحوظہ: تاہم خیال رہے کہ جہاں لوگوں کا اعتقاد بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو سب اہل علم ہوں یا جہال ہوں مگر وقتاً فوقتاً انہیں حقیقت سے واقف کر دیا جائے تو وہاں کسی امر مندوب پر مداومت مکروہ نہ ہوگی، بلکہ مندوب عمل میں جبکہ اعتقاد میں خرابی نہ آئے استمرار و دوام مطلوب ہے، حدیث شریف میں ہے: خير العمل أدومه وإن قلّ. (ابن ماجہ، حدیث: ۴۲۴۰) بہترین عمل وہ ہے جس کو ہمیشگی اور مداومت کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو۔

۷۲۶- **ضابطہ**: قربانی اور عقیقہ کے علاوہ کسی اور امر میں اراقۃ دم جائز نہیں۔ (۳)

---

(۱) كل مباح يؤدى إلى زعم الجهال سنية أمر أووجوبه فهومكروه كتعيين السورة للصلٰوة وتعيين القراءة لوقت. (الدر العقودية فى تنقيح الفتاوٰى الحامدية: ۲/۳۳۳)

(۲) أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية: ۲/۲۶۵، باب صفة الصلوٰة)

(۳) إراقة الدم لا تكون قربة إلا في وقت مخصوص أو مكان مخصوص فأما التصدق بالمال قربة في كل وقت (المبسوط للسرخسي: ۳/۱۱۰، باب صدقة الفطر) ←

تشریح: اراقۃ دم: جانور کو اس نیت سے ذبح کرنا کہ اصل مقصود اس کا خون بہانا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا قربان کرنا ہو، گوشت وغیرہ کا تصدق محض ضمنی ہو۔ یہ صرف قربانی (خواہ قربانی عید اضحیٰ کی ہو یا حج کی) اور عقیقہ میں ثابت ہے، باقی امور میں اس کا ثبوت نہیں، اس لئے کسی اور امر مثلاً مقصد برآری وغیرہ کے لئے یہ فعل جائز نہ ہوگا۔

تفریع: پس بعض لوگ بیماری سے شفایابی کے لئے بکرا ذبح کرتے ہیں یہ جائز نہیں، اس مقصد کے لئے مطلق صدقہ کرنا چاہئے، بکرا ذبح کرنا لوگوں نے ضروری سمجھ لیا ہے جس میں یہ عقیدہ بھی مضمر ہوتا ہے کہ جان کا بدلہ جان سمجھتے ہیں یہ غلط ہے، امداد الفتاویٰ اور احسن الفتاویٰ وغیرہ میں اس پر سخت نکیر کی گئی ہے۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ: ۵/ ۳۰۷ میں ہے: ''چونکہ مقصود فدا ہوتا ہے اور ذبح کی یہ غرض صرف عقیقہ میں ثابت ہے اور جگہ نہیں، اس لئے یہ طریقہ بدعت ہے''۔ اور احسن الفتاویٰ: ۱/ ۳۶۷ میں ہے: ''یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے، اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اس میں چونکہ اس عقیدے اور بدعت کی تائید ہے لہذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ وخیرات کردے، شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر خاص توجہ دیں، اور مدارس دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں''۔

۷۲۔ **ضابطہ:** مکروہ کا ترک سنت پر مقدم ہے۔[1]

← إراقة الدم، شرعا غير معقول المعنى فيقتصر الوجوب على مورد الشرع. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۷، كتاب التضحية)

---

(۱) ترك المكروه مقدّم على السنة۔ (البحر الرائق: ۲/ ۷۹، باب إدراك الفريضة)

تفریعات:

(۱) جماعت شروع ہو چکی ہو، اور مسجد میں الگ سے صحن یا دروازے کے پاس سنت پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو فجر کی سنت ترک کر دینا چاہئے، کیونکہ اس حال میں نماز پڑھنا جماعت کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ ہے، اور ترک مکروہ سنت پر مقدم ہے [۱] (پھر طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد زوال سے پہلے یہ سنت پڑھ لینا بہتر ہے، اگرچہ اس وقت سنت مؤکدہ نہیں رہی) [۲]

(۲) تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد سنت ہے، مگر اوقات خمسہ مکروہہ (طلوع شمس، استوائے شمس، غروب شمس، فجر کے فرض کے بعد اور عصر کے فرض کے بعد) میں سے کوئی وقت ہو تو پڑھنا درست نہیں۔ [۳]

(۳) امام رکوع میں ہو اور آگے کی صف میں جگہ خالی ہو تو مسبوق کو وہ جگہ پر کر لینا چاہئے، گو رکعت فوت ہو جائے، کیونکہ جگہ خالی چھوڑنا مکروہ ہے اور ترک مکروہ سنت وفضیلت پر مقدم ہے۔ [۴]

۷۲۸- **ضابطہ**: جو کوئی اس دین میں ایسی نئی بات نکالے جس کی کوئی اصل نہ ہو وہ مردود ہے۔ [۵]

تشریح: دین: صرف وہ باتیں ہیں جو بعینہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، یا ان کی اصل (جڑ) قرآن وحدیث میں موجود ہیں، جیسے کعبہ شریف کا حج بعینہ ثابت ہے،

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۱/۱۸۳، باب إدراک الفریضۃ)

(۲) (مجمع الأنہر: ۱/۱۴۲؛ کبیری: ۳۷۹، فصل فی النوافل)

(۳) (ردالمحتار: ۱/۱۳۱، سنن الوضوء)

(۴) (ردالمحتار: ۱/۵۷۱، باب الإمامۃ)

(۵) من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فیه فھو رد. (صحیح بخاری، کتاب الصلح، حدیث: ۲۶۹۷)

اور آج کل جو مدارس کا سلسلہ ہے وہ بعینہ ثابت نہیں، مگر اس کی اصل صفہ کا مدرسہ ہے، پس زمانہ اور جگہ کے اختلاف سے مدارس کا نقشہ اور نصاب تعلیم وغیرہ مختلف ہو سکتے ہیں، یہ بے اصل نہیں، جو چیزیں محض بے اصل ہیں جیسے مروجہ میلاد النبی: یہ بدعت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ولادت نبوی کا جشن نہیں منایا، یہ بات پانچویں صدی میں اربل کے بادشاہ نے شروع کی ہے، پس وہ بے اصل اور بدعت ہے۔ [1]

مزید تفصیل یہ ہے کہ جونئی چیز- جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو- دین سمجھ کر اختیار کی جائے جیسے صلاۃ المعراج، عید میلاد النبی، مروجہ فاتحہ خوانی وغیرہ وہ مردود ہے، کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے: الیوم اکملت لکم دینکم الخ سے اس کا اعلان ہو چکا ہے، اب اس میں اضافہ اس پیغام کو جھٹلانا ہے نیز نبی ﷺ کے فرض منصبی پر ایک داغ لگانا ہے جو بہت سخت بات ہے —— اور جونئی چیز موقوف علیه للدین ہو یعنی دین کی اشاعت وحفاظت اس پر موقوف ہو، دوسرے لفظوں میں وہ چیز مقصود دین نہ ہو بلکہ حفاظت دین کے لئے محض ایک ذریعہ اور وسیلہ ہو جیسے موجودہ دور کے مدارس اسلامیہ، انجمنیں وغیرہ تو وہ مردود نہ ہوگی بلکہ مطلوب ہوگی، کیونکہ ہمیں دین کی حفاظت واشاعت کا حکم دیا گیا ہے، تو اس کے لئے جو بھی جائز طریقے اور تدابیر ہوں ان کو اپنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوگا، اس کو بدعة للدین کہتے ہیں یعنی دین کی خاطر کوئی نئی چیز اختیار کرنا اور اول کو بدعة فی الدین کہا جاتا ہے یعنی دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا، حدیث شریف کا مصداق وہی اول قسم ہے، من احدث فی امرنا الخ میں لفظ فی بھی اس پر واضح قرینہ ہے۔

تاہم خیال رہے کہ بدعت کی یہ تقسیم لغوی معنی کے اعتبار سے ہے، اصطلاح شریعت میں ہر بدعت 'سیئہ اور گمراہی ہے، کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا

(۱) (ماخوذ: تحفۃ القاری شرح البخاری: ۶/ ۹۲)

جاسکتا، البتہ لغوی معنی میں چونکہ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اس لئے جو نئی چیز موقوف علیہ للدین ہو اس کو بدعۃ للدین یا بدعۃ حسنۃ کہہ دیتے ہیں۔

۲۹ ۷-**ضابطہ:** جس بے اصل وغیر ثابت شدہ چیز کو عبادت سمجھ کر کیا جائے وہ بدعت ہے اور جس کو عرف وعادت سے مجبور ہو کر کیا جائے وہ رسم ہے۔

تشریح: پس بدعت اور رسم میں فرق کے لئے یہ ایک اہم ضابطہ ہے، اس سے بہت سی چیزوں میں فرق کیا جاسکتا ہے کہ یہ بدعت ہے اور یہ رسم ہے ــــ عام طور پر لوگ شادی بیاہ کے موقع رسمیں اختیار کرتے ہیں، اور موت وغمی کے مواقع پر بدعتوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

شرعی لحاظ سے دونوں ناجائز ہیں، البتہ رسم کے مقابلہ میں بدعت میں قباحت زیادہ ہے، تاہم رسم کی بھی اجازت نہیں، نبی ﷺ کے بعثت کے مقاصد میں سے ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سورۃ الاعراف: ۱۵۷)

(کہ وہ پیغمبر) ان پر سے وہ بوجھ اور بیڑیاں الگ کرتے ہیں جو ان پر تھیں۔ اغلال دراصل گلے کے طوق کو کہتے ہیں پس اس سے مراد وہ رسمیں بھی ہیں جو کفار مکہ کے معاشرے میں جڑ پکڑ چکی تھیں، اور وہ ان کے لئے گلے کے طوق بن چکی تھیں، نبی ﷺ نے معاشرے کو ان رسومات سے بھی پاک صاف کیا۔

البتہ خیال رہے کہ کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں لوگوں کی وہ عادات جو ان کے علاقائی، یا قبائلی ہیں (جن میں وہ اپنی مخصوص شناخت رکھتے ہیں) جب تک اس میں کوئی قباحت نہ ہو ممنوع نہ ہوں گی، بلکہ وہ عادات ممنوع ہیں جن میں کوئی شرعی قباحت مثلاً اسراف وتبذیر، دولت کی نمائش، غرباء ومساکین کے لئے باعث تشویش ہونا وغیرہ موجود ہو، اور دراصل رسم ایسی ہی عادت کو کہتے ہیں جس میں کوئی نہ کوئی قباحت موجود ہوتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصول شریعت کے استقراء سے ہمیں معلوم

ہوتا ہے کہ: عبادات یعنی فرض، سنت وغیرہ میں اصل یہ ہے کہ یہ ثابت نہ ہوں مگر یہ کہ اس پر کوئی شرعی دلیل آجائے؛ اور لوگوں کی دنیوی عادات میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہوں، مگر یہ کہ (کسی قباحت کی بنا پر) ممانعت کی دلیل آجائے۔[1]

۷۳۰- ضابطہ: سنت متروکہ پر عمل میں موعود ثواب اس وقت ہے جبکہ اس سنت کے مقابلہ میں بدعت اور جہل ہو، اگر اس کے مقابلہ میں دوسری سنت ہو تو یہ حکم نہیں۔

تشریح: طبرانی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ: "المتمسک بسنتي عند فساد امتی فله اجر شهيد"[2] جو میری امت کے فساد کے وقت میری (متروکہ) سنت پر عمل کرے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے، اور المعجم الأوسط میں حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ "من أحيا سنتي فقد أحبني و من أحبني كان معي في الجنة"[3] جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے (واقعی) محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس کو جنت میں میری معیت نصیب ہوگی؛ تو اس کا مصداق وہی صورت ہے جو ضابطہ میں مذکور ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ارواح ثلاثہ میں یہ دلچسپ واقعہ مذکور ہے کہ: مذکورہ فضیلت کے پیش نظر جب حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے نماز میں برسر عام رفع یدین شروع کردی تو ان کے چچا حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے مولانا یعقوب صاحب کی

(۱) فباستقراء أصول الشريعة نعلم أن العبادات التي أوجبها الله أو أحبها لا يثبت الأمر بها إلا بالشرع. وأما العادات فهي ما اعتاده الناس في دنياهم مما يحتاجون إليه والأصل فيه عدم الحظر فلا يحظر منه إلا ما حظره الله سبحانه وتعالى.
(مجموع الفتاوی لابن تیمیة: ۲۹/ ۱۶-۱۷)

(۲) (جامع الأحاديث (عن الطبراني والحلية): ۲۲/ ۱۷۲ احديث: ۲۴۴۷۸)

(۳) (المعجم الأوسط: ۹/ ۱۶۸، حديث: ۹۴۳۴)

معرفت یہ کہلا بھیجا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ وشورش ہوگی، جب مولانا یعقوب صاحب نے جا کران کو یہ پیغام پہنچایا تو حضرت شہید نے یہ جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے: من تمسک عند فساد امتی... الخ کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی، مولانا یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر سے ان کا یہ جواب بیان کیا، تو اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا: "بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا، یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ میں سنت کا مقابل سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یوں ہی ارسال بھی سنت ہے" جب مولانا یعقوب صاحب نے یہ جواب مولانا اسماعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔[1]

۷۳۱- **ضابطہ**: جو حکم سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو اس کا ترک راجح ہے۔[2]

تفریعات:

(۱) سجدے میں پیشانی رکھنے کے لئے ایک بار کنکر ہٹانے کی اجازت رخصت ہے یا عزیمت؟ روایات سے دونوں معلوم ہوتا ہے، اور بطریق نظر بھی جہاں تسویہ (زمین ہموار کرنا) عزیمت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس میں مسنون طریقہ پر پوری پیشانی پر سجدہ ادا ہوتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کا ترک بھی- چونکہ خشوع کے زیادہ قریب ہے- عزیمت معلوم ہوتا ہے، پس ایسی صورت میں مذکورہ ضابطہ کی بنا پر ثانی کو ترجیح

(۱) (أرواح ثلاثة: ۱۱۳، ملخصاً)

(۲) إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا. (رد المحتار: ۶۴۲/۱، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا)

دیں گے اور کہیں گے کہ عدم تسویہ افضل ہے۔[۱]

(۲) مونچھوں کا استرے سے مونڈنے میں بدعت اور سنت دو قول ہیں، پس اس کا ترک اولیٰ ہوگا۔[۲]

(چاہئے کہ مونچھوں کو مشین سے یا قینچی سے اس طرح کاٹیں کہ مونڈنے کے قریب ہوجائیں، روایت میں جزوا کا لفظ آیا ہے[۳] جس کے معنی خوب کاٹنے کے ہیں اور ایک روایت میں احفوا آیا ہے[۴] اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ اس طرح کاٹیں کہ مونڈنے کے قریب ہوجائیں۔ تاہم کوئی استرے سے مونڈتا ہے تو اس پر نکیر صحیح نہیں، کیونکہ یہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کی بات ہے)

۷۳۲- ضابطہ: قبول عمل کے لئے اس عمل کا خالص اور صواب ہونا ضروری ہے۔

تشریح: خالص کا مطلب ہے: صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وہ عمل کیا جائے۔ اور صواب یہ ہے کہ: وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔

---

(۱) فالحاصل أن التسوية لغرض صحيح مرة هل هي رخصة أو عزيمة وقد تعارض فيها جهتان فبالنظر إلى أن التسوية مقتضية للسجود على الوجه المسنون كانت التسوية عزيمة وبالنظر إلى أن تركها أقرب إلى الخشوع كان تركها عزيمة والظاهر من الأحاديث الثاني ويرجحه أن الحكم إذا تردد بين سنة وبدعة كان ترك البدعة راجحا على فعل السنة مع أنه قد كان يمكنه التسوية قبل الشروع في الصلاة. (البحر الرائق: ۲/۲۱، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

(۲) حلق الشارب بدعة عند بعض العلماء وذكر الطحاوی في شرح معاني الاثار ان حلقه سنة. (النافع الكبير شرح الجامع الصغير: ۱/۱۵۵، كتاب الحج باب من جزاء الصيد)

(۳-۴) صحيح مسلم، كتاب الطهارة، حديث: ۲۵۹-۲۶۰)

پس کوئی عمل گو سنت کے موافق ہو لیکن اس میں اخلاص نہ ہو بلکہ ریا اور نمود کے لئے کیا تو وہ عند اللہ مقبول نہیں ـــــ اسی طرح کسی عمل کو خواہ کتنا ہی اخلاص کے ساتھ کیا جائے لیکن سنت کے موافق نہ ہو تو وہ بھی مقبول نہیں مردود ہے، جیسے شب معراج کی نماز اور تیجا، چالیسواں وغیرہ۔

پس عمل میں خلوص اور صواب دونوں پہلوں ضروری ہے، یہی ''احسن عمل'' ہے، جس کا ذکر ان آیات میں ہے: إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (سورة الكهف: ٣٠) الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (سورة الملك: ٢)[1]
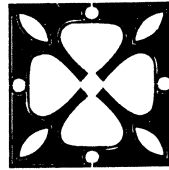
(١) قال الفضيل بن عياض رحمه الله في قوله تعالى {ليبلوكم أيكم أحسن عملا} قال أخلصه و أصوبه قالوا يا أبا علي ما أخلصه و أصوبه قال إن العمل إذا كان خالصا ولم يكن صوابا لم يقبل وإذا كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل حتى يكون خالصا صوابا و الخالص أن يكون لله و الصواب أن يكون على السنة. (تلخيص ابن كثير: ٢/ ٤١٩)

الخرائط الثمینۃ فی المسائل الفقھیۃ المھمۃ

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (۱): مس قرآن کا بیان
مس قرآن عند الحدث
بلاواسطہ
بالواسطہ
مصحف کو
غیر مصحف کو
قلم وغیرہ سے
کپڑے سے
جائز ہے
خالص قرآن کو
خالص ترجمہ کو
تفسیر کو
جائز نہیں
دیوار درہم وغیرہ میں موجود قرآن کو چھونا
ملبوس (پہنے) کپڑے سے
غیر ملبوس کپڑے سے
جائز نہیں نہ آیات کو اور نہ حاشیہ وغیرہ خالی جگہ کو
خاص لکھا ہوا حصہ چھونا جائز نہیں باقی حصہ چھونا جائز ہے تاہم موبائل میں احتیاط چاہئے جبکہ قرآن اس میں مکمل کھلا ہوا ہو والتفصیل فی الکتاب
جائز نہیں
جائز ہے
تفسیری کلمات زیادہ ہوں جیسے جلالین وغیرہ
تفسیری کلمات قرآنی کلمات کے مساوی یا کم ہوں
جائز ہے، تاہم ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی بے وضو نہ چھویا جائے
جائز نہیں
غلاف وجزدان سے
ایسے منفصل غلاف سے جس کو نکالے یا ہٹائے بغیر پڑھنا ممکن نہ ہو
ایسے متصل غلاف سے جس کو پڑھتے وقت نکالنے یا ہٹانے کی ضرورت نہیں رہتی
جائز ہے کہ وہ مصحف کا جزو نہیں
جائز نہیں کہ وہ بمنزلہ مصحف کا جزو ہے
نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں یہ بحث ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۲): ستر کا بیان
ستر
مرد کا
عورت کا
چھوٹے بچے کا
باندی کا
آزاد عورت کا
ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد و عورت دونوں کے حق میں یہی ستر ہے۔ ناف ستر میں شامل نہیں گھٹنے شامل ہیں
ناف سے لے کر گھٹنے تک نیز پیٹ اور پیٹھ کا حصہ
مرد کے حق میں
عورت کے حق میں
ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے
محرم مرد کے حق میں
غیر محرم مرد کے حق میں
ناف سے لے کر گھٹنے تک نیز پیٹ اور پیٹھ کا حصہ
چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے سوا پورا بدن ستر ہے، اور چہرہ گو ستر نہیں مگر اس کا پردہ لازم ہے
چھوٹا بچہ ۴-۵ سال تک
بڑا بچہ مگر سات سال سے کم ہو
سات سال سے بڑا بچہ
اس کا کوئی حصہ ستر نہیں
صرف دونوں شرمگاہیں اور ان کے ارد گرد کا حصہ ستر ہے
وہ اس امر میں بالغ کے حکم میں ہے
نوٹ: اور پردہ کے متعلق تفصیلی بحث؛ نیز اس شجرہ کے حوالجات کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۳): لباس کا بیان
لباس
ریشم کا
غیر ریشم کا
نقلی ریشم
اصلی ریشم
فساق کی وضع قطع میں
صلحاء کی وضع قطع میں
جائز ہے مطلقاً
مذکر کے لئے
مؤنث کے لئے
مکمل ریشم یا بانا ریشم کا ہو
صرف تانا ریشم کا ہو
جائز ہے مطلقاً
جائز نہیں مگر کسی ضرورت مثلاً کھجلی کی وجہ سے پہنے
جائز ہے کیونکہ اصل اعتبار بانے کا ہے وہ ریشم ہے تو ریشم ورنہ نہیں
جائز نہیں
بقدر ضرورت
بقدر حاجت
بطور آسائش
بطور آرائش وزیبائش
بطور نمائش
فرض ہے
جائز ہے
حرام ہے
فائدہ: ضرورت: جو لوازم زندگی میں سے ہو اس کے نہ ہونے سے ضرر لاحق ہو؛ حاجت: جس کے نہ ہونے سے ضرر تو نہ ہو مگر گزارا مشکل ہو؛ آسائش: حاجت سے زائد جو آرام وراحت کے لئے ہو؛ آرائش وزیبائش: جو صرف زیب وزینت کیلئے ہو؛ نمائش: جس سے فخر ونمود مقصود ہو۔
نوٹ: حوالجات کتاب میں لباس کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۴): سونا چاندی کے استعمال کا بیان
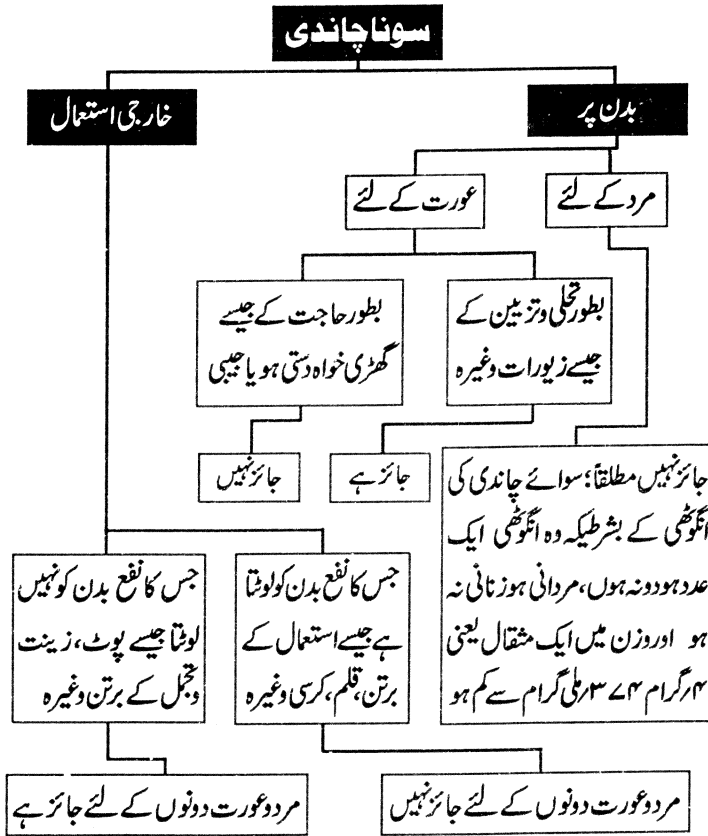
فوائد: ۱-اور سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے کسی بھی دھات سے تحلی (تزین) پورے جسم میں کہیں جائز نہیں؛ اور عورت کے لئے ہر قسم کی دھات سے تحلی جائز ہے، مگر محض انگوٹھی کہ اس میں سونا چاندی کے علاوہ دوسری دھات کا استعمال جائز نہیں۔ ۲-سونا چاندی دوسری دھات کے ساتھ مخلوط ہو تو جو غالب ہو اسی کا اعتبار ہوگا۔ ۳-اور قلعی یعنی گلیٹ کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جس دھات پر قلعی کی گئی اسی کا اعتبار ہوگا، پس مرد کیلئے اسٹیل وغیرہ کی گھڑی جس پر سونا یا چاندی کی قلعی ہو جائز ہے۔

نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں یہ بحث ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۵): منع حمل تدابیر کا بیان
تدابیر
عام حالات میں
ضرورت و مجبوری میں
جائز نہیں، خواہ عارضی ہوں یا مستقل ودائمی
عارضی تدابیر
دائمی تدابیر
مرد کے لئے
عورت کیلئے
جائز نہیں
جائز ہے خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی جانب سے، جبکہ مجبوری کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوں:
صرف ایک صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ: ماہر قابل اعتماد ڈاکٹروں کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو۔
۱- ماہر اطباء کی رائے میں ولادت کی صورت میں عورت کو نا قابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔
۲- عورت اتنی کمزور ہو کہ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کو متحمل نہیں ہو سکتی اور حمل ہونے کی صورت میں اسے ضرر شدید لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔
۳- جو بچہ موجود ہے اس کی تربیت، پرورش، رضاعت اور نشو نما میں ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہو تو مناسب وقفہ کرنا جائز ہوگا۔
نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں علاج و معالجہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۲): اسقاط حمل کا بیان
اسقاط حمل
جان پڑنے سے پہلے
جان پڑنے کے بعد
عذر شدید میں
بلا عذر شدید میں
کسی حال میں جائز نہیں حرام ہے ایک زندہ انسان کا قتل لازم آئے گا۔ جان پڑنے کی مدت عموماً چار مہینے (۱۲۰) دن ہوتی ہے، لیکن اس سے پہلے بھی قرائن سے جان پڑنا معلوم ہوجائے تو اسقاط جائز نہ ہوگا۔
جائز نہیں، کیونکہ انسان کا ایک جزو ہوجانے سے اس کی حفاظت ضروری ہے
جائز ہے، عذر شدید یا واقعی مجبوری کی چند مثالیں یہ ہیں:
۱۔ حمل کو باقی رکھنے میں عورت کی جان کا یا کسی اہم عضو کے تلف ہونے کا یا کسی بڑی بیماری میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔
۲۔ عورت کا دودھ پیتا بچہ ہے اور حمل ٹھہر جانے سے دودھ رک گیا جس سے بچے کی ہلاکت اندیشہ ہے جبکہ کوئی دائی بھی میسر نہیں یا شوہر اجرت پر قادر نہیں۔
۳۔ عورت کو ایڈز وغیرہ مہلک بیماری لاحق ہو اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہو کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا یا بچہ بالکل اپاہج ہوگا۔
۴۔ حمل زنا کا ہو جس میں ضیاع نسب کی قباحت کے ساتھ عورت کے لئے معاشرہ میں بدنامی یا کسی شورش کا اندیشہ ہو۔
نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں علاج و معالجہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۷): پلاسٹک سرجری کا بیان
پلاسٹک سرجری
مجبوری میں
غیر مجبوری میں
ایسے عیب کے ازالہ کیلئے جو عمومی تخلیق سے مختلف ہو خواہ پیدائشی ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو
حالت اضطرار میں یعنی چمڑی نہ بدلنے میں شدید تکلیف و درد کا سامنا ہو
جائز نہیں جیسے:
جائز ہے
اس مرض کا کوئی جائز متبادل ہے
کوئی جائز متبادل نہیں ہے
جائز نہیں
جائز ہے
۱-محض خوبصورتی بڑھانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں
۲-درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی کھال میں جو تغیر آتا ہے جیسے جھریاں وغیرہ تو ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرنا جائز نہیں
۳-اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں (سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے)
نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب ہٰذا میں علاج و معالجہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں
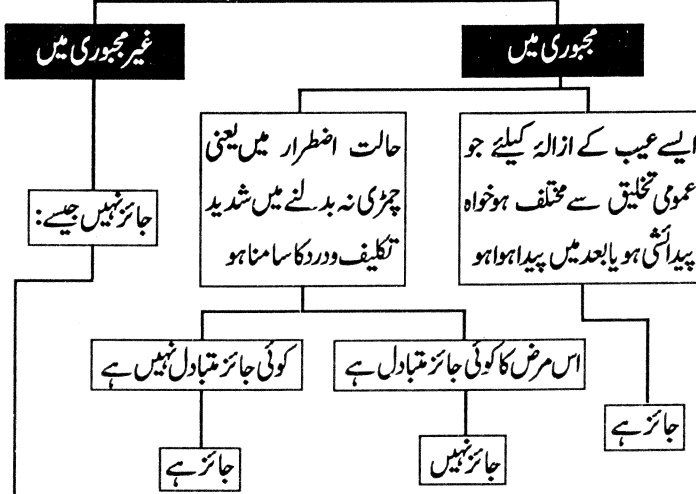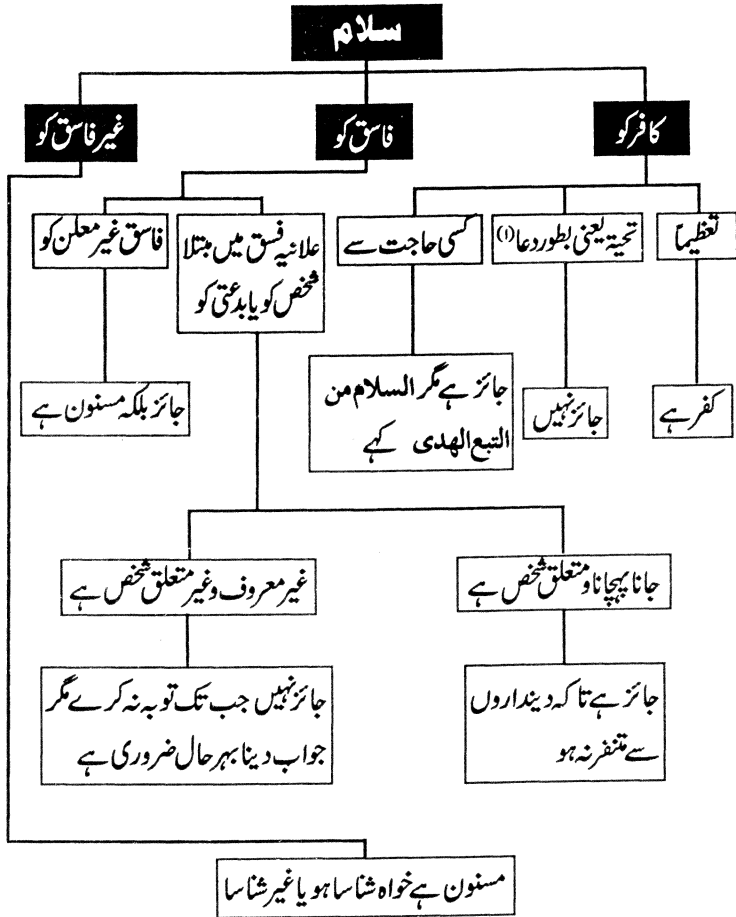
(۱) البتہ کافر کو سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف ''وعلیک'' یا ''ہداک اللہ الاسلام'' کہے، اور وعلیک کہنے میں بھی بہتر ہے کہ اس وقت گناہ اور کفر سے سلامتی کو مراد لے۔

نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں یہ بحث ملاحظہ فرمائیں

وصیت

وارث کے لئے
- صحیح نہیں

غیر وارث کے لئے
- مجہول شخص کیلئے مثلاً فلاں کے تین لڑکوں میں سے ایک کیلئے وصیت اور تعیین نہیں کی — جائز نہیں (۱)
- معلوم و معین شخص کیلئے
  - ایسی وصیت جس میں صلہ یا قربت کے معنی ہوں (۲) — جائز ہے
  - جس میں صلہ یا قربت کے معنی نہ ہوں، جیسے
    - کسی گناہ مثلاً بدعت کی، یا اپنے اعضاء وغیرہ دینے کی وصیت کی؛ یا مخصوص کفن یا مخصوص شہر میں تدفین یا نماز جنازہ میں مخصوص امام کی وصیت کی
      - یہ وصیت باطل ہے، البتہ گناہ کے علاوہ چیزوں میں ورثاء وصیت نافذ کرنا چاہے تو کر سکتے ہیں ان کو اختیار ہے، اس صورت میں بطلان کا مطلب اس پر عمل ضروری نہیں

(۱) لیکن اگر کہا میرا اتنا مال کار خیر میں صدقہ کرنا اور تعیین نہیں کی تو یہ وصیت صحیح ہے، ورثاء اپنی مرضی سے جو بھی مناسب کار خیر یا مدرسہ و مسجد یا فقراء سمجھیں خرچ کریں گے، کیونکہ یہ صدقہ کی وصیت ہے، اس میں حصول مقصد کے لئے صرف مصرف کا ذکر ہی کافی ہے، فرد کی تعیین ضروری نہیں۔

(۲) صلہ سے مراد: مطلق انسانی ہمدردی واحسان ہے، پس فاسق ومالدار کے لئے بھی وصیت صحیح ہے؛ اور قربت کا مطلب: شرعاً جس میں ثواب کا پہلو ہو، جیسے فقراء و مساکین کو دینا وغیرہ۔

نوٹ: حوالجات کے لئے کتاب میں یہ بحث ملاحظہ فرمائیں

قال المؤلف عفى الله تعالٰى عنه:هذا آخر ما يسره المولى القدير على عبده العاجز الحقير من الكتاب المسمى "فقهى ضوابط"

وقدتم وكمل بتوفيق الله سبحانه وتعالٰى وحسن تسديده بتاريخ تسعة عشر من شهر رمضان المبارك قبيل العصر سنة ستة وثلاثين بعدأربع مأة وألف من هجرة النبى الأمين.

اللّٰهم تقبله منا كما تقبلت من عبادك المقربين الصالحين ، واجعله خالصا لوجهه الكريم موجبا للفوز لديه في جنات النعيم ،وأن ينفع به كل قاص ودان ويهيئ لخرده الحسان كل كفء محسان، وأن يغفر لي ما طغى به القلم أو زلت به القدم، وأن يتجاوز عن عثراتي ويعفو عن سيئاتي ويغفر لمشايخي ووالدي ولمن له حق علي ولأولادي وأهلي والأحباب ولمن كان الحامل على جمع هذا الكتاب، وأن يمن علي وعليهم ببلوغ المنى والأمل، وأن يطلق ألسنتنا بالشهادتين عند انتهاء الأجل، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

والصلاة والسلام على سيدنا محمد صاحب المعجزات والآيات الواضحات وعلى آله وأصحابه السادات وزوجاته الطاهرات وعلى التابعين والعلماء العاملين الأثبات لا سيما إمامنا الأعظم وأصحابه الأئمة الثقات، سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد الله رب العالمين.

المراجع

	مراجع	مطابع
۱	صحیح البخاری	دار الفکر - بیروت
۲	صحیح المسلم	دار إحیاء التراث العربی لبنان
۳	سنن الترمذی	مصطفی البابی الحلبی - مصر
۴	سنن أبی داؤد	المکتبة العصریة - بیروت
۵	سنن النسائی	مکتب المطبوعات - حلب
۶	سنن ابن ماجه	دار إحیاء الکتب العربیة
۷	مسند امام أحمد	مؤسسة الرسالة
۸	الهدایة شرح البدایة	دار إحیاء التراث العربی لبنان
۹	رد المحتار علی الدر المختار	دار الفکر - بیروت
۱۰	الدر المختار علی هامش الرد	دار الفکر - بیروت
۱۱	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	دار الکتاب الإسلامی
۱۲	فتح القدیر شرح الهدایة	دار الفکر - بیروت
۱۳	االفتاوی الهندیة	دار الفکر - بیروت
۱۴	حاشیة الطحطاوی	دار الکتب العلمیة - بیروت
۱۵	شرح الفقه الأکبر للقاری	قدیمی کتب خانه - کراتشی
۱۶	مرقاة المفاتیح شرح المشکاة	فیصل پبلیکشنز - دیوبند
۱۷	عمدة القاری شرح البخاری	دار إحیاء التراث العربی لبنان
۱۸	بذل المجهود شرح أبی داؤد	دار البشائر الإسلامیة
۱۹	ملتقی الأبحر	دار الکتاب العلمیة - لبنان
۲۰	مجمع الأنهر	دار إحیاء التراث العربی لبنان
۲۱	بدائع الصنائع	دار الکتاب العلمیة - بیروت
۲۲	روح المعانی	إدارة المصطفائیة - دیوبند
۲۳	التقریب والتیسیر للنووی	دار الکتاب العربی - بیروت

۲۴	جلاء الأفهام لابن قيم الجوزية	دار العروبة - الكويت
۲۵	تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق	المطبعة الأميرية - القاهرة
۲۶	منحة الخالق على البحر الرائق	دار الكتاب الإسلامي
۲۷	شرح النووی علی مسلم	دار إحياء التراث العربي لبنان
۲۸	فتاوى محمودية	جامعه فاروقيه كراچی
۲۹	الفتاوى الحديثية لابن حجر	قديم كتب خانه - كراتشي
۳۰	حياة المسلمين لحكيم الأمت	إداره إسلامية - لاهور
۳۱	كفاية المفتي	در الإشاعت - كراچی
۳۲	تحفة القارى شرح البخارى	مكتبه حجاز - ديوبند
۳۳	المقدمة الجزرية	دار المغنى للنشر والتوزيع
۳۴	الإتقان فى علوم القرآن	الهيئة المصرية العامة للكتاب
۳۵	مجموعة الرسائل للكنوى	إدارة القرآن
۳۶	فيض البارى شرح البخارى	ربانی بک ڈپو - دهلی
۳۷	أحسن الفتاوى	ايم ايچ سعيد كمپبی كراچی
۳۸	فتاوى عثمانی	مكتبه معارف القرآن كراچی
۳۹	امداد الفتاوى	مكتبه دار العلوم - كراچی
۴۰	فتح البارى شرح البخارى	دار المعرفة - بيروت
۴۱	غنية المستملى (الكبيرى)	سهيل اكيڈمی - لاهور
۴۲	مناهل العرفان للزرقانی	عيسى البابى - الحلبى
۴۳	حرف شيريں	ادارة علم و ادب - ديوبند
۴۴	أحكام القرآن	دار إحياء التراث العربي لبنان
۴۵	تكملة فتح الملهم	مكتبه دار العلوم - كراتشی
۴۶	كنز العمال	مؤسسة الرسالة
۴۷	نور اللغات	سنگ ميل - لاهور
۴۸	إعلاء السنن	ادارة القرآن - كراتشی
۴۹	إمداد الأحكام	مكتبه دار العلوم - كراچی

۵۰	المحیط البرهانی	دار الکتاب العلمیة- بیروت
۵۱	المبسوط للسرخسی	دار المعرفة- بیروت
۵۲	فتاوٰی رحیمیه	دار الإشاعت- کراچی
۵۳	الفتاوٰی البزازیة	مکتبه رشیدیه- کوئٹه
۵۴	قواعد الفقه	دار الکتاب- دیوبند
۵۵	شرح المجلة لسلیم رستم باز	مکتبة حنفیة- کوئٹه
۵۶	تنقیح الفتاوٰی الحامدیة	مکتبه میمنة- مصر
۵۷	الأشباه والنظائر	إدارة القرآن- کراتشی
۵۸	الحلال والحرام للقرضاوی	دار الکتاب- بیروت
۵۹	کتاب الفتاوٰی	مکتبه نعیمیه- دیوبند
۶۰	مجموعة الفتاوٰی	مکتبه سعید- کراتشی
۶۱	الفقه الإسلامی وأدلته	مکتبه رشیدیه- کوئٹه
۶۲	الجوهرة النیرة	المطبعة الخیریة
۶۳	مجلة الأحکام العدیة	مکتبة نور محمد- کراتشی
۶۴	قاموس الفقه	مکتبه نعیمیه- دیوبند
۶۵	قرآن وحدیث اور فقه إسلامی	إیفا پبلیکیشنز- دهلی
۶۶	تحفة الفقهاء	دار الکتاب العلمیة- لبنان
۶۷	التیسیر للمناوی	مکتبة الإمام الشافعی الریاض
۶۸	شرح سنن ابن ماجه للسیوطی	قدیمی کتب خانه- کراتشی
۶۹	فیض القدیر	دار الکتاب العلمیة- بیروت
۷۰	درر الحکام شرح غرر الأحکام	دار إحیاء الکتب العربیة
۷۱	الکوکب الدری	مکتبة یحیویة- سهارنفور
۷۲	العنایة شرح الهدایة	دار الفکر- بیروت
۷۳	البنایة شرح الهدایة	دار الفکر- بیروت
۷۴	فقه اکیڈمی کے فیصلے	اسلامک فقه اکیڈمی- انڈیا
۷۵	آکام المرجان فی أحکام الجان	مکتبة القرآن- القاهرة
۷۶	فتاوٰی رشیدیة	إدارة إسلامیة- لاهور

۷۷	أحكام القرآن لابن العربى	دار الكتاب - بيروت
۷۸	التعليق الممجد على موطا محمد	مير محمد كتب خانه - لاهور
۷۹	فتح الملهم شرح المسلم	دار القلم - دمشق
۸۰	قرة عين الأخيار	دار الفكر - لبنان
۸۱	التفسير المنير لوهبة الزحيلى	دار الفكر المعاصر - دمشق
۸۲	العقود الدرية لابن عابدين	دار المعرفة - بيروت
۸۳	تحفة الألمعى شرح ترمذى	مكتبه حجاز - ديوبند
۸۴	خلاصة الفتاوىٰ	سهيل اكيڈمى - لاهور
۸۵	قواعد الأحكام فى مصالح الأنام	مكتبة الكليات الأزهرية
۸۶	لسان الحكام للحلبى	البابى الحلبى - القاهرة
۸۷	السراجى فى الفرائض	دار الكتاب ديوبند
۸۸	الاختيار لتعليل المختار	مطبعة الحلبى - القاهرة
۸۹	مالابدمنه	كتب خانه نعيمية - ديوبند
۹۰	الفوز الكبير	مكتبه خير كثير - دهلى
۹۱	فتاوىٰ قاضيخان	مكتبه رشيدية - كوئٹه
۹۲	شرح العقائد	دين محمدى پريس لاهور
۹۳	اليواقيت والجواهر للشعرانى	دار إحياء التراث - بيروت
۹۴	شرح الشفاء للملاعلى قارى	دار الكتاب العلمية - بيروت
۹۵	السعاية شرح الوقاية	سهيل اكيڈمى - لاهور
۹۶	التاتارخانية (جديد)	مكتبه زكريا - ديوبند
۹۷	شعب الإيمان	دار الكتاب العلمية - بيروت
۹۸	كنز العمال	مؤسسة الرسالة
۹۹	مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية	مجمع الملك فهد - المدينة
۱۰۰	النافع الكبير شرح جامع صغير	عالم الكتاب بيروت
۱۰۱	تلخيص ابن كثير	سنة النشر - بيروت
۱۰۲	أرواح ثلاثة	كتب خانه نعيمية - ديوبند
۱۰۳	المعجم الأوسط	دار الحرمين - القاهرة